



حزب الانصار

(دین کے مددگاروں کا گروہ)

پنجاب کا سب سے بڑا اسلامی تبلیغی ادارہ جو ۱۹۲۹ء سے اسلامی خدمت میں سرگرم ہے جامع مسجد بھیرہ کی عظیم الشان عمارت کی مرمت دارالعلوم عزیزبہ بھیرہ کا اجراء اور اس کے ماتحت کئی جگہ مدارس عربیہ کا قیام دارالمبلغین سالانہ تبلیغی کانفرنس غرض ہر طریقہ سے مسلمانوں کی تعلیمی - اقتصادی اور مجلسی اصلاح اور تنظیم کے لئے مسلسل مساعی جاری ہیں جماعت کا ترجمان جریدہ شمس الاسلام ہر ماہ بھیرہ سے شائع ہوتا ہے - حزب الانصار کے قائم کردہ دینی اداروں کی امداد اور جریدہ شمس الاسلام کی توسیع اشاعت میں حصہ لیکر اور جماعت کے معاون بنکر ثواب دارین حاصل فرمائیں -

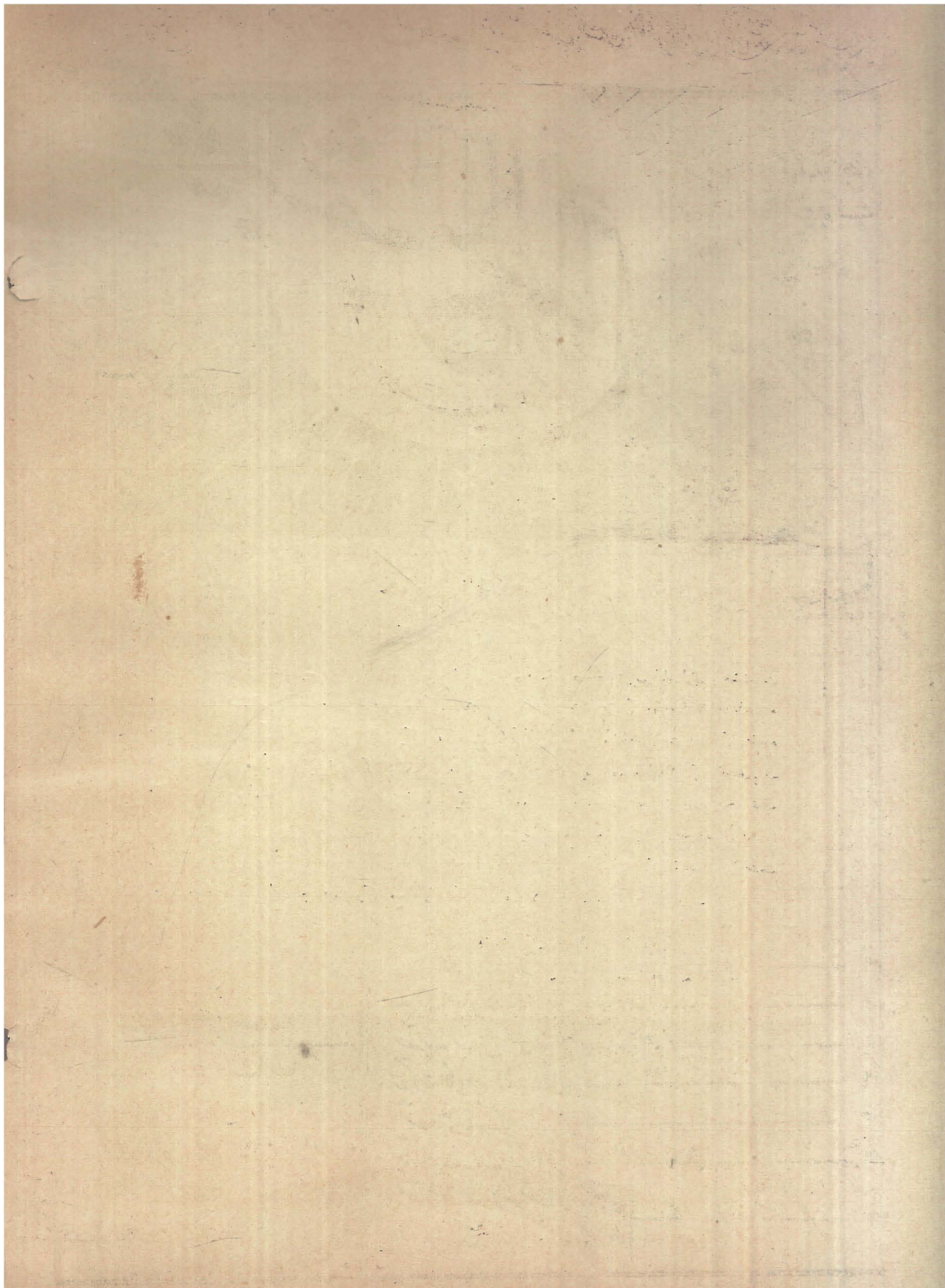
افتخار احمد بگڑی کان اللہ لہ

امیر حزب الانصار بھیرہ پنجاب

بیاگازہ میلت حضرت ناولحظہ الامام حاکمی نور اللہ مرقہ

محتلہ داسہ

مدیر مسئول
لام حسین



ہر انگریزی ماہ کی گیارہ تاریخ کو
پابندی وقت شائع ہوتا ہے

(بھیرہ)

شمس الاسلام

مدیر اعلیٰ: سید سیاح الدین کالانی

جلد ۲۱ | ربیع الاول ۱۳۷۰ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۵۰ء | شمارہ ۱۲

فہرست

۲	بزم انصار
۴	مرزا بشیر الدین محمد صاحب عظیمہ جہانگیر آباد کا بھیرہ میں دو اور مجلس مرکزیہ حوب الانصار بھیرہ کی طرف سے
۶	مرزا بشیر الدین صاحب کو غیر مشروط مناظرہ کا کھلا چیلنج
۸	شذرات
۱۱	تعلیمات اسلامی
۱۲	مفتحات القرآن
۱۴	باب الحدیث
۱۶	سیرت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ
۱۵	حضرت صدیق بغدادی کی سادہ زندگی (نظم)
۱۶	تذکرۃ الکرام
۲۰	اسلام کیا ہے ؟
۳۱	چارا امروزہ تدبیر اور راہ حق
۴۴	رہنمی نسلی مسلمانوں کو شعوری اور حقیقی مسلمان کیسے بنایا جاسکتا ہے ؟

توسیل زمرہ خط و کتابت کا پتہ :
نیچر رسالہ "شمس الاسلام" جامع مسجد بھیرہ پاکستان



ہندوستان والے اپنا چند
عاجی فضل الہی عبد المجید صاحبان کمیشن
ایجنٹس کے نوآب مسجد شریف بمبئی
(ہندوستان) کو بذریعہ منی آرڈر روانہ کریں۔



بدل اشتراک

نمونہ کے لئے ۴۲ کے ٹکٹ ارسال کریں	
سالانہ عوام سے	۴۲
" معاویین سے	۴۲
" طلبہ سے	۴۲
فے پرچہ	۴۲

بزم انصار!

کوائف کارکردگی حزب الانصار بمیرہ

دارالعلوم عزیزیہ | میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے۔ مگر میرا کی وجہ سے مدرسین دارالعلوم عزیزیہ و اکثر طلبہ اور بچے صاحب فراش ہیں۔ جس کی وجہ سے اسباق میں تعطل واقع ہو جاتا ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ دعا فرمائیں۔ اللہ کریم بیماروں کو شفا عطا فرما۔

دارالمبلغین | مولوی محمد عظیم صاحب مبلغ حزب الانصار و فاضل دارالعلوم عزیزیہ نے مختلف مقامات پر دورہ کر کے پیغام حق پہنچایا۔ اور مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی تلقین کی۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مقامات پر تبلیغی جلسے منعقد کئے گئے۔

مورخہ ۴ نومبر ۱۹۷۲ء بروز پیر کو حزب الانصار کا تبلیغی وفد بمبیت مولانا افتخار احمد صاحب گوی امیر حزب الانصار و مولوی حافظ محمد افضل صاحب و مولوی محمد عظیم و مولانا محمد بخش صاحب سواتوالوی بمقام شیرپور پہنچا تو مولوی محمد منظور صاحب منظور کی سرکردگی میں اہل شہر نے تبلیغی وفد کا استقبال کیا۔ اور درخواست کی کہ شب باشی یہاں ہونی چاہیے۔ چنانچہ رات وہاں بسر کی۔ اور دوسرے دن وفد عبداللہ پور میں پہنچا۔

جلسہ میں شمولیت کئے دو روز سے سامعین تشریف لائے ہوئے تھے۔ عبداللہ پور کی بستی جس میں اکثریت شیعہ آبادی ہے۔ اس میں اہل سنت و الجماعت کا ازدحام کثیر اس بات پر دل تھا کہ ابھی تک اہل سنت و الجماعت میں مذہبی احساس موجود ہے۔ فالجھڑ علی ذلک۔

علماء کرام نے مختلف موضوعات پر تقریریں کیں۔ مولانا محمد بخش صاحب نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ مسلمان کا صحیح عقیدہ کیا ہے۔ اور ہمارے اسلاف کے عقائد کیا تھے۔ کہ ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے خوشنودی آئی حاصل کریں۔ آپ کے بعد مولانا الحاج افتخار احمد صاحب نے فلسفہ شہادت بیان کیا۔ اور مسلمانوں کو صبر و استقامت پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہوئے مرکز تنظیم اہل سنت و الجماعت سے متعارف کرایا۔ اس کے بعد مورخہ ۹ نومبر ۱۹۷۲ء بمقام چیمپیاں تبلیغی اجتماع ہوا۔ جس میں محترم امیر حزب الانصار کی سرکردگی میں مولانا سید غلام محی الدین صاحب مولانا سید رسول صاحب۔ مولوی تاج الرسول صاحب۔ مولوی محمد عظیم صاحب۔ صفوی محمد شریف صاحب نے شرکت کی۔ جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ اس جلسہ کی کامیابی کا سہرا حکیم راجہ جمانا خان صاحب۔ چودھری اللہ داد صاحب۔ منظور آئی صاحب کا شمیری و حکیم

راجہ عباس خان صاحب و دیگر حضرات کے سر پر ہے۔ اللہ کریم ان حضرات کو بڑے نئے غیرے۔ اور دینی خدمت کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرمائے۔

و قد حزب الانصار یہاں سے روانہ ہو کر والد ارچو دہری محمد خان صاحب و شیر شاہ صاحب امام مسجد کی دعوت پر ساگر پہنچا۔ تو وہ نے محسوس کیا۔ کہ یہاں پر غازیوں کی کمی ہے۔ اور بقول علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم ۷ مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ غازی نہ ہے یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ ہے یہاں پر مسلمانوں کو غازی پڑھنے کی تلقین کی تو باشندگان ساگر نے وعدہ کیا کہ انشاء اللہ الغریز غازی کی پابندی اختیار کریں گے۔

اللہ کریم انکو استقامت بخشے۔ اس کے بعد مورخہ ۱۲ نومبر کو وفد حزب الانصار چک بھاس میں پہنچا۔ اور مسلمانوں کو اس بات کی تلقین کی کہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلائیں۔ اور وفد حزب الانصار آپ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ آپ اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے لئے دارالعلوم عزیزیلہ میں بھیجیں۔ انکی تعلیم، سبق و طبق و دیگر اخراجات کا مدرسہ کفیل ہوگا۔ اس کے بعد مورخہ ۲۴ نومبر وفد حزب الانصار موضع منڈا ہر ضلع جہلم پہنچا۔ دن و رات کو دو اجلاس ہوئے۔ جن میں مسلمانوں کو علم دین سیکھنے کی تلقین کی گئی۔ اور مذاہب باطلہ کی ریشہ دوانیوں سے لوگوں کو آگاہ کیا گیا۔

بقیہ صفحہ ۷۔ چنانچہ ۲۷ تاریخ سے مرثائی لڑکھو ان لڑکیوں تلواروں، راتیلوں سے مسلح ہو کر بھولے بھائے مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے شہر کے مختلف حصوں میں گشت کرتے تھے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے بمبیرہ میں بھیجاں واضطرار پیدا ہو گیا۔ عوام الناس کی طرف سے بازاروں اور بڑے دروازوں پر سیاہ جھنڈے آویزاں کئے گئے۔

مرزا محمود صاحب صبح دس بجے کے قریب اپنے محافظ دستہ کی حفاظت میں بمبیرہ پہنچے۔ دو بجے کے بعد مرثائیوں کے مجمع میں نہایت ہی مختصر اور بے معنی تقریر کی۔ اور چار بجے مرثائیوں کی طرف سے دی ہوئی ٹی پارٹی میں چائے اور پیٹری وغیرہ کھا کر واپس چلے گئے۔ قادیانی خلیفہ کو ہمت اور جرأت نہ ہوئی کہ وفد حزب الانصار کے چیلنج مناظرہ کو قبول کرے۔

صبح دس بجے جامع مسجد میں اس قدر عظیم الشان اجتماع منعقد ہوا کہ جسکی قطعاً توقع نہیں تھی۔ اس اجلاس میں

حضرت مولانا محمد حنیف صاحب نے حقانیت اسلام پر عالمانہ فاضلانہ تقریر فرمائی۔ آپ کے بعد مولانا الحاج افتخار احمد صاحب نے تقریر کی۔ اور اس کے بعد مولانا لال حسین صاحب اختر نے تقریر شروع کی۔ آپ نے کتب مرثائیت سے ثابت کیا کہ مرثائیت حکومت برطانیہ کا خود کاشتہ پودہ ہے۔ انگریز کے جاسوس اور پاکستان کے غدار ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی کتب و تحریرات سے حوالہ جات پڑھ کر سنائے کہ انگریزی سلطنت کو مستحکم کرنے اور مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد کو فنا کرنے کے لئے کن کن چال بازیوں سے کام لیا۔ آپ کی تقریر نے مرثائیت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ جن سے رفد و روشن کی طرح مافض ہو گیا۔ کہ مرثائیت کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

مولانا کی تقریر کے بعد امیر حزب الانصار نے علما کرام اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اور جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔ (پیشکش یہ سہ روزہ ”دعوت“ لاہور مورخہ ۷ دسمبر ۱۹۷۷ء)

مرزا بشیر الدین محمد و احمد صاحب خلیفہ جہا مرزا بیکہ بھیرہ میں ورود

امت مرزائیت بھیرہ کی عرصہ دراز سے خواہش تھی کہ خلیفہ صاحب کو بھیرہ لایا جائے۔ متحد و یار تارخوں کا اعلان ہوتا رہا کہ قلاں تارخ کو تشریف لائے ہیں۔ مگر عین وقت پر التوا کا اعلان کر دیا جاتا رہا۔ اچانک ۲۲ نومبر کی صبح کو پرائیویٹ طور پر معلوم ہوا کہ مرزا محمود چھبیس نومبر کو بھیرہ آئے ہیں۔ اگرچہ وقت کم تھا تاہم اراکین حزب الانصار کی فوری ہنگامی مجلس شروع ہوئی تو فیصلہ ہوا کہ مجلس مرکزیہ حزب الانصار کی طرف سے مرزا محمود صاحب کو غیر مشروط جیلنج مناظرہ دینے کے علاوہ دو اجلاس منعقد کئے جائیں۔ چنانچہ ایک آدمی اشتہارات طبع کرنے کے لئے سرگودھا روانہ کیا گیا۔ اور دیگر حضرات مختلف علمائے کرام کو لانے کے لئے روانہ کئے گئے۔ تائید ایزدی شامل حال تھی کہ بروز سینچر بتاریخ ۲۵ نومبر حضرت مولانا محمد حنیف صاحب سجادہ نشین دامیر رفیق الاصناف کوٹ مومن و مناظرہ سلام مولانا لال حسین صاحب اشترود دیگر حضرات تشریف لے آئے۔

ان حضرات کی آمد پر پہلا تبلیغی اجتماع آٹھ بجے شب حضرت پیر سبحان شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مراد پر منعقد کیا گیا۔ اس قدر اڑدھام تھا۔ کہ جلسہ گاہ کھپا کھچ بھر گئی۔ جلسہ کی کارروائی زیر صدارت حضرت مولانا محمد حنیف صاحب شروع کی گئی۔ مولانا الحاج افتخار احمد صاحب گجروی نے موثر تقریر کرتے ہوئے مقامی حالات پر تبصرہ کیا کہ یہاں بڑے بڑے اولیائے عظام، علمائے کرام، لیڈران عظام تشریف لائے۔ مگر کسی کے لئے آج تک میونسپلٹی نے اس قدر جدوجہد نہیں کی۔ کہ میونسپلٹی کے ملازم پیڑ اسی سے لیکر کلرک تک مرزا محمود کی آمد کے دعوتی کارڈ تقسیم کر رہے ہیں۔ آخر اس پردہ میں کس کا ہاتھ ہے جو کہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔ ان حالات میں باشندگان بھیرہ کو آئندہ سوچنا پڑیگا کہ ہمارے نمائندے کیسے ہونے چاہئیں۔

اس کے بعد مجلس مرکزیہ حزب الانصار کی طرف سے مطبوعہ اشتہار پڑھ کر سنایا گیا۔ جو کہ درج ذیل ہے:۔

مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ کی طرف سے مرزا بشیر الدین محمد و احمد صاحب امام جماعت "احمدیہ" کو انکی بھیرہ میں آمد پر غیر مشروط مناظرہ کا کہا چیلنج

چھپ کر او۔ غیر کے گھر رانگو جانوالے! ۛ کبھی بھونے سہی آجا مرنے کا شانے میں

بناب میاں صاحب! آپ دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کو مرزا صاحب کی "نبوت" پر ایمان نہ لانے کے جرم میں کافرانہ ہیں۔ چنانچہ سر فخر اللہ خان نے کراچی میں دولتِ خدا داد پاکستان کے بانی اور اپنے ذاتی محسن قائد اعظم مرحوم کا جنازہ نہ پڑھ کر

مرزا صاحب اور آپ کے اس فتویٰ پر مکرر تصدیق ثبت کر دی۔ کہ ہر وہ مسلمان جو قادیانی نبوت کا قائل نہیں ہے۔ کافر ہے۔ اور اس کا جنازہ ناجائز اور حرام ہے۔ خواہ وہ قائد اعظم ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کفر و اسلام کا سوال ہے۔ اور اس پر آخرت کی نجات و فلاح کا انحصار ہے۔ اس لئے ہماری دلی خواہش ہے۔ کہ ہم افہام و تفہیم سے اس مسئلہ کو اگر سلجھا سکتے ہیں۔ تو سلجھائیں۔ اور مسئلہ کی بنیاد — مرزا صاحب کے صدق و کذب پر — باہم گفتگو کر لیں۔

ہم کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ اور خود آپ کے لٹریچر سے یہ ثابت کر دیں گے۔ کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت صحیح نہیں ہے۔ اور آنحضرت خاتم النبیین کے بعد ظلی۔ بروزی۔ پوری۔ ادھوری۔ لفظی۔ معنوی۔ وہی۔ کبھی تشریحی۔ تفریحی۔ ہر قسم کی نبوت کا مدعی و قائل و کذاب ہے۔ اور اس پر ایمان لانے والے کافر مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

اگر آپ ہماری یہ مخلصانہ دعوت قبول فرمائیں۔ تو آج ہی مقام، تاریخ اور وقت کا اعلان فرماویں۔ اور ہمیں بھی مطلع کر دیں۔ تاکہ ہم بروقت مقام متعین پر پہنچ جائیں۔ اور دنیا کے سامنے حق و باطل کو کھول کر رکھ دیں۔ اگر آپ میں حق و صداقت کے مقابل آنے کی ہمت و جرأت نہ ہو۔ تو پھر آپ کا اخلاقی فرض ہو گا کہ آپ اندھیری قبر اور روز محشر کا خیال کر کے بھولے بھالے مسلمانوں کو مرتد کرنے کی ہم ترک فرماویں۔ اور آپ نے اپنے ہر جماعتی کو بہر حال کم از کم ایک مسلمان کو مرزائی بنانے کا جو حکم دے رکھا ہے۔ اسے واپس لے لیں۔

آپ کا خیر اندیش منظر جواب،

افتخار احمد بگوی کان اللہ امیر حزب الانصار جامع مسجد بھیرہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل، اولیائے عظام، صحابہ کرام اور خصوصاً حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخیوں کا ان کی کتابوں سے انکشاف کرتے ہوئے مرزا ثبوت شکن حوالہ جات پیش کئے۔ رات کے اجلاس نے شہر میں کافی جوش و خروش پیدا کر دیا۔ اور لوگوں نے فیصلہ کیا کہ مرزا محمود کی تمام تقریبات اور دعوتوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ اس اجلاس میں صبح کے اجلاس کا اعلان کیا گیا۔ کہ کل جمعہ ۲۴ نومبر بروز اتوار صبح دس بجے سے چار بجے تک جامع مسجد میں تبلیغی اجتماع رہے گا۔

مطبوعہ چیلنج مناظرہ کو سنکر سامعین متفقہ مطالبہ کیا۔ کہ اگر مرزائیوں میں ذرہ بھر بھی علم و جرأت اور صداقت ہے تو وہ اس بغیر مشروط چیلنج پر مرزا غلام احمد قادیانی کے صدق و کذب کا فیصلہ کن مناظرہ کر لیں۔

اس کے بعد فلک شگاف نعروں کے ساتھ مولانا لال حسین صاحب آئتر تقریر کے لئے کھڑے ہوئے۔ آپ نے مرزائیت پر دھواں دھار تقریر کرتے ہوئے سامعین کے سامنے مرزا غلام احمد قادیانی کے اقوال پیش کئے۔ جن میں توہین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات، حضور سرور کائنات

شہنشاہ

(۱)

دستوری سفارشات پر تبصرہ | تین سال کے طویل

عرصہ کی خاموشی کے بعد دستور ساز اسمبلی میں بنیادی اصول اور بنیادی حقوق کی کمیٹیوں نے اپنی سفارشات پیش کیں۔ جن سے اندازہ ہوا کہ موجودہ حکمران طبقہ آئینہ اس مملکت کی تشکیل کن بنیادوں پر کناچا ہوتا ہے۔ ملک کے تمام اخبارات، علماء کرام اور حکومت سے بغیر وابستہ لیڈروں نے ان سفارشات کی مخالفت کی۔ ان کو خلاف اسلام اور خلاف قرارداد مقاصد اور خلاف جمہوریت ٹھہرایا۔ کسی مملکت کے لئے دستور اساسی کی بوجہ اہمیت ہے۔ اور غلط دستور کے جو بڑے نتائج اور تباہ کن اثرات ہو سکتے ہیں اس کی بنا پر چاہئے بھی یہ تھا۔ کہ ان دستوری سفارشات کو اچھی طرح سے پرکھا جائے۔ اور اسلامی اور جمہوری نقطہ نگاہ سے اس پر غور و خوض کیا جائے۔ چنانچہ خالص اسلامی اصول کے لحاظ سے جمعیت علماء اسلام اور جماعت اسلامی نے ان سفارشات پر تنقید کی۔ جلسے منعقد کئے۔ پوسٹر، اشتہار، پمفلٹ اور تفصیلی بیانات شائع کئے۔ اور لوری تفصیل کے ساتھ تمام غیر اسلامی دفعات کا تجزیہ و تحلیل کر کے ان کے خلاف اسلام ہونے کو واضح کیا۔ ان جلسوں کی کارروائیاں اور بیانات اخبارات کے ذریعہ سے دہمیدہ سے قارئین کرام مطالعہ فرماتے ہوئے ہونگے۔

مسلم لیگ کی صدارت سنبھالنے اور چراغ سحری کو آتھری سنبھال دینے کی آخری کوشش کرنے کے بعد جب ہمارے وزیراعظم یاقوت علی خان صاحب سیلاب زدہ علاقوں کے

دورہ کے لئے پنجاب تشریف لائے۔ تو انہوں نے یہ محسوس کیا کہ عام طور سے ان سفارشات کو غیر اسلامی سمجھا گیا ہے۔ اور لوگوں کا یہ یقین ہونے لگا ہے کہ برسرِ اقتدار پارٹی اس ملک میں اسلامی نظام کو برپا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ اور اس وجہ سے لوگ موجودہ قیادت اور مسلم لیگ سے بیزار و متنفر ہو رہے ہیں۔ تو انہوں نے گوبرائوالہ، لائل پور اور دوسرے شہروں میں عام جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے جس طرح مسلم لیگ کا ذکر کیا۔ کہ مسلم لیگ ہی حکومت ہے اور حکومت مسلم لیگ۔ وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق ان سفارشات کو اسلامی سمجھ کر پیش کیا ہے۔ اور ہمارے فہم میں اسلامی حکومت کی بنیادیں یونہی قائم ہو سکتی ہیں۔ اور اگر بالفرض کسی کے خیال میں یہ اسلامی نہیں۔ تو وہ کوئی اسلامی دستور پیش تو کر دے جس پر ساری قوم بھی متفق ہو۔

حیرانی ہوتی ہے کہ ان باتوں ہی سے قوم کے ہچان و اضطراب کو ختم کر دیا جائیگا۔ اور نظام اسلامی کے مطالبہ کو ٹالا جاسکے گا۔ بنیادی اصولوں اور بنیادی حقوق کی کمیٹی میں ایک رکن بھی ایسا نہیں جس کو اسلام، اور قرآن و حدیث کا علم حاصل ہو۔ سب کے سب قانون فرنگ کے ماہر تو ہیں لیکن قانون خدا کا ماہر تو کیا، مسمولی جلنے والا بھی ان میں کوئی نہیں۔ انہوں نے کتاب الہی اور احادیث رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل بے نیاز ہو کر ایم بی احمد کی رسوا عالم ”رہنمائے دستور“ کتاب کی رہنمائی میں مغربی ممالک کے دساتیر سے خوشہ چینی کر کے دستور کی سفارشات مرتب کیں۔ تعلیمات اسلامی بورڈ جن پر اسے نامِ مشیر کی حیثیت سے دی گئی تھی، ان کے مشوروں کو بھی قبول نہیں کیا۔ اور ان سے کچھ بھی استفادہ نہیں کیا گیا۔ دین اسلام کے بنیادی ماحذ سے پوری بے توجہی کے بعد جو سفارشات کی گئی ہیں ان کے متعلق وزیر اعظم صاحب کا دعویٰ ہے کہ ہماری سمجھ میں یہ سب اسلامی دستور کی سفارشات ہیں۔

اور دوسری طرف تمام اکابر علماء دین، مولانا ظفر احمد تھانوی، مولانا احتشام الحق صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا مفتی محمد حسن صاحب لاہوری، مولانا احمد علی صاحب لاہوری، مشرقی پاکستان کے تمام علماء کرام، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے ماہرین قانون شریعت ان سفارشات کو غیر اسلامی، بلکہ صریحاً مخالف اسلام قرار دیتے ہیں۔ اب بتائیے کہ اس کا فیصلہ کیسے ہو۔ اب یا تو وزیر اعظم صاحب حکومت کی طاقت سے یہ دور منوانا چاہتے ہوں۔

.....

.....

.....

.....

اور اگر یہ معذرت نہیں تو پھر ایک مرموسلم کی طرح سے اس باہمی اختلاف کا حل وزیر اعظم صاحب کو بھی اس کتاب مجید سے معلوم کرنا پلے جس پر ان کا اور ہمارا ایمان ہے۔ مومنین کا یہی وظیفہ ہوتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ

أُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ، إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (النساء) اسی ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی۔ اور اطاعت کرو اللہ کے رسول کی۔ اور ان حکمرانوں کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر تمہارا آپس میں کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو پھر دو اللہ اور اس کے رسول کی طرف۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو؟

آیت مندرجہ بالا میں مومنین کو خطاب کر کے جن اہم بنیادی نکات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہیں:۔

اول یہ کہ خدا اور رسول کی اطاعت مقدم ہے۔ اور اولی الامر کی اطاعت اس کے بعد۔

دوم۔ یہ کہ اولی الامر صرف وہی ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں میں ہوں۔ ایک غیر مسلم اسلامی حکومت میں کارکن تو ہو سکتا ہے۔ مگر کارفرما اولو الامر نہیں ہو سکتا۔

سوم۔ پبلک کو حکام سے نزاع کا حق حاصل ہے۔ افراد کو بھی اور بحیثیت مجموعی قوم کو بھی۔ حکام کو سبے چون و چرا اطاعت کا حق نہیں پہنچتا۔ یہ حق صرف خدا اور اس کے رسول کے لئے خاص ہے۔

چہارم۔ یہ کہ جب پبلک اور حکام کے درمیان نزاع ہو تو اس کا فیصلہ خدا کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کے مطابق ہونا چاہئے۔ یعنی اصل فیصلہ کن قانون۔ خدائی قانون ہے۔ نہ کہ کوئی انسانی قانون۔

آیت مندرجہ بالا میں یہ چار نکات بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اگر تم خدا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ طرز عمل اختیار کرو۔ یعنی اگر تم یہ طرز عمل اختیار نہیں کرتے تو تم مسلمان نہیں ہو۔ اور جس حکومت کی بنیاد ان نکات پر نہ ہو وہ حکومت بھی اسلامی نہیں۔ اس بات کو آگے چل کر اور بھی زیادہ

سخت الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ
حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْكَ فِي
مَا شَجَرَبْتُمْ لَهُمْ
ثَمًّا لَا يُجِدُوا
فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا
مِّمَّا قَضَيْتَ
وَلَيْسَ لَكُمُ اسْتِغْلَامٌ
(النساء)

نہیں۔ اسی محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نہائے رب کی قسم یہ لوگ ہرگز
مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ
اپنے باہمی اختلافات میں تمکو
اپنا ”حکم“ نہ بنائیں۔ پھر تو فیصلہ
تم کرو اس پر اپنے چلین تنگی تک نہ
محسوس کریں۔ بلکہ سر تسلیم خم
کر دیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک رسول خدا کو حکم
آخری فیصلہ کر دیا، نہ مانا جائے کوئی شخص مسلمان ہو ہی نہیں
سکتا۔ یہ بات جس طرح ایک فرد کے معاملے میں صحیح ہے۔
اسی طرح ایک حکومت کے معاملے میں بھی صحیح ہے۔

پس یہ حالات موجودہ دستور کی سفارشات جیسی اہم
چیز کے بارے میں جس پر آئندہ ساری مملکت کے اسلامی یا
غیر اسلامی ہونے کا دار و مدار ہے۔ انہی ارشادات الہی کی روشنی
میں غور کرنا چاہئے۔ ہمارے حکمران طبقہ کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ
اسلامی دستور ہے۔ لیکن ان کی اطاعت بلا چون و چرا تو قوم پر
لازم نہیں کہ بس ان کے دعویٰ کو سن کر کے بہر حال تسلیم کرنے
پر مجبور ہوں۔ بلکہ قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر اسکی رائے میں
یہ خلاف اسلام ہے تو وہ اپنی رائے کا اظہار کر کے نزاع کرے
اور یہ کہے کہ ہم غیر اسلامی دستور کو نہیں مانتے۔ چنانچہ علما و کرام
اور دوسرے تمام اسلام پسند افراد قوم نے بالاتفاق یہی کہا۔

اور پُر زور اظہار نفرت اور احتجاج کے ذریعہ انہوں نے اپنا
نظریہ بتایا۔ اور اعلان کیا کہ ہم ایسے دستور کو کبھی بھی نہیں
مانیں گے۔ اب اس نزاع کے بعد اس کا فیصلہ اس طرح نہیں
ہو سکتا کہ حکومت سیفقی ایکٹ کے زور سے اخبارات و رسائل

بند کرے۔ علما و کرام اور دیندار مسلمانوں کو جیل میں بند کرے۔

کسی کی زبان بندی کرے اور کسی کو ڈانٹا جائے۔ کسی کی
جائداد ضبط کی جائے۔ اور کسی کو اور طریقہ سے ستایا جائے۔

بلکہ قرآن مجید کی صریح آیت کی رو سے اس کا حل یہ ہے کہ
نزاع کو ختم کرنے کے لئے فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ پر عمل
کیا جائے۔ خدا تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید، فرقان بین الحق و

الباطل موجود ہے۔ صحیح احادیث و ارشادات رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ موجود ہے۔ ان سفارشات کو ان کے
سلمے پیش کرو۔ اگر خدا و رسول کا فیصلہ یہ ہوا کہ یہ سفارشات

اسلامی دستور کی تو نہیں۔ تو خدا و رسول کے مقابلہ میں محترم
وزیر اعظم صاحب اور انکی ساری اسمبلی پارٹی اپنی ضد کو

چھوڑ کر ان کو غیر اسلامی قرار دے۔ اور اسلامی دستور کی تدوین
کے لئے دستور سازی کا کام ان لوگوں کے حوالے کر دیں جو

خدا و رسول کا قانون جاننے والے، متقی، پرہیزگار ہوں۔ تاکہ
واقعی اسلامی دستور مدون و مرتب ہو سکے۔ اور اگر خدا و رسول

کا فیصلہ یہ ہوا کہ ہاں یہ سفارشات اسلامی ہیں تو پھر قوم
کو نزاع کا حق نہ ہے گا۔ اور پھر تمام باشندگان ملک کی یہ

شرعی ذمہ داری ہوگی کہ انکو قبول کریں۔
تو کیا ہمارے محترم وزیر اعظم صاحب اس کے لئے

تیار ہیں کہ صرف رعب دار مجبوں اور دعووں پر قناعت نہ کریں۔
بلکہ قرآن و حدیث کے سامنے اپنا یہ مقدمہ لے جا کر فیصلہ

طلب کریں؟ اگر ایسا کریں فطوئی لاء وھنیٹ لاء +
انتخابی جدوجہد

الکتوبر کے شمارہ میں قارئین کرام
کے سامنے ہم نے انتخابات کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کیا

تھا۔ اپنی رائے کیا، بلکہ جو کچھ ہم نے قرآن و حدیث اور ارشادات
سلف کی روشنی میں سمجھ کر یقین کر لیا تھا کہ یہ اسلامی طریقہ انتخاب

ہو سکتا کہ حکومت سیفقی ایکٹ کے زور سے اخبارات و رسائل

تکلیفات اسلامی

- (۱) خدا ظالموں کی ہدایت نہیں فرماتا۔ (قرآن مجید)
- (۲) جو لوگ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے رہے ہیں۔ انکو خدا کے یہاں بہت بڑا اجر ملے گا۔ (قرآن مجید)
- (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جبریل مجھ کو ہمسایہ کے حقوق کے متعلق اسقدر اہتمام سے نصیحت کرتے رہتے ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں وہ پڑوسی کو میراث میں شریک کر دوں۔ (حدیث)
- (۴) جو لوگ سو دکھاتے ہیں وہ قیامت کے دن اپنی قبروں سے اس طرح اٹھیں گے جیسے انکو شیطان نے مضبوط الحواس کر دیا ہو۔ (قرآن مجید)
- (۵) بندوں پر خدا کی طرف سے دوزبردست فریضہ عائد کئے گئے ہیں۔ ایک اس کے احکام پر عمل کرنے کا۔ دوسرے اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا۔ (حدیث)
- (۶) اسی مسلمان! جب میرا دمیں تک کے لئے معاملہ لین دین کیا کرو تو اسے لکھ پڑھ لیا کرو۔ (قرآن مجید)
- (۷) کوئی شخص اس وقت تک جنت میں نہیں جاسکتا جب تک ایمان نہ ملے۔ اور جب تک آپس میں ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے محبت و اخلاص قائم کر لیا کوئی شخص ایمان نہ نہیں ہو سکتا۔ (لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کو اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ محبت و اخلاص ضرور پیدا کرنا چاہیے) (حدیث)
- (۸) آپس میں ایک دوسرے سے جب ملاقات ہو تو سلام کی کثرت کرنا چاہیے۔ اس سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ (حدیث)
- (۹) بعض محتاج ایسے ہوتے ہیں جو اصرار و جھجک کے ساتھ سوال نہیں کرتے۔ اس سے ناواقف لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ عاجز نہیں ہے۔ لہذا ظاہری تعفف سے یہ نہ کہ وہ کم ایسے سائلین سے پرواہ ہو جاؤ۔ (قرآن مجید)
- (۱۰) جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی حاجت روائی کرتا ہے خدا ایسے بندے کی خود حاجت روائی فرماتا ہے۔ (حدیث)
- (۱۱) اپنے حمان کی تعظیم و تکریم کرنے میں وہ برابر دریغ نہ کرو۔ (۱۲) فضول خرچی کر نیوالے شیطان کے بھائی ہیں۔ بیخوشی طانی افعال کے گویا ترکیب ہوتے ہیں۔ (قرآن مجید)
- (۱۳) خدا کے بندوں کی پہچان یہ ہو کہ جب وہ کسی بیہودہ مشغلہ کی طرف سے گزرتے ہیں تو وضع عادی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔ (۱۴) طہارت کے ساتھ رکاوٹ و طہارت خدا کو محبوب ہے۔ (قرآن مجید)
- (۱۵) برائی کا بدلہ برائی ہے۔ مگر جو شخص معاف کرے اسکو خدا کے یہاں بڑا بھاری اجر ملے گا۔ (قرآن مجید)
- (۱۶) اسی مسلمان! مسلمانوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ (قرآن مجید)
- (۱۷) کامل مسلمان حقیقت وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی کو گزند نہ پہنچے۔ (حدیث)
- (۱۸) جس شخص میں امانت نہیں ہے اس میں گویا ایمان بھی نہیں۔ اور جس میں ایفاء و عذر نہیں وہ دین نہیں رکھتا۔ (۱۹) صبر واقعی وہ جو حالت مدغم میں کیا جائے۔ اور کسی قسم کے

منتخب القل
حقوق افرقان

(مولانا محمد زاہد صاحب الحسینی)

بسم الله الرحمن الرحيم

مسلمانوں کے باہمی حقوق | جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ مفت ہے آدمی اپنے ہمالیہ
 قظیم کے لئے گھر کے دروازہ ٹک جائے۔ (ابن ماجہ)

قرآن کریم نے سب مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے۔ اسلئے ان تمام افعال اور اخلاق کا بالکل یہ ازالہ کر دیا ہے جن سے بھائی چارے اور اخوت میں کڑوری پیدا ہو سکتی ہو۔ مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ

”ای اللہ تو ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی عداوت کبھی نہ رہنے دے۔“
اسلئے مسلمانوں کو فرمایا کہ (۱) وہ آپس میں اتحاد و اتفاق سے
رہیں۔ (۲) ہر ایک مسلمان دوسرے مسلمان بھائی کے سامنے
اپنے آپ کو نرمی سے پیش آئے اور قرار دے۔

اور خدا کی رسی کو سب ملکر مضبوطی
سے پکڑے رہو۔ اور ٹکڑے ٹکڑے
نہ ہو۔

مومن سب آپیں بھائی بھائی
ہیں۔

اللہ اور اس کے رسول کا کیا مانو۔ اور
آپس میں جھگڑا نہ کرو۔ ایسا ہوگا
تو ہمت ہار دو گے۔ اور تمہاری

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ
اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا
تَفَرَّقُوا.

إِنَّمَا لِلدِّينِ مِنْكُمْ
إِخْوَةٌ

أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَلَا تَمَارَعُوهَا
فَتَنفَشُوا وَتَذْهَبَ

رہنمائی۔
ہوا اکڑ جائیگی۔

رَحْمَةً وَسَيِّئَةً

أَوَّلِيَّةٌ عَلَى

المؤمنين

ہوا اکھڑ جائیگی۔

وہ آپس میں محبت رکھنے والے ہیں۔
مسلمانوں کے جھگڑنے اور نرمی کر نیوالے
ہیں۔

مصلح اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے
اس رابطہ اتحاد کو یوں ادا فرمایا ہے۔ کہ "اے مسلمان آپس
میں ملکر ایک آدمی کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ میں دھبہ تو سارا
بدن دکھ محسوس کرتا ہے۔ اور اگر سر میں درد ہو تو پورا جسم
تکلیف میں ہوتا ہے۔" "مسلم"

(۲) جس طرح دیوار کے حصے آپس میں لکر مضبوط دیوار بن جاتی ہے۔ اسی طرح مومن باہم ایک دوسرے لکر مضبوط ہو جاتے ہیں۔ ”بخاری“

(۳) ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کے پانچ حقوق ہیں۔ سلام کا جواب دینا۔ چھینکے پر میخماک اللہ کہنا۔ اسکی دعوت قبول کرنا۔ بیمار ہو تو اسکی بیلہ پر سی کرنا۔ مرنے والے جنازہ کے ساتھ چلنا۔ ”ابوداؤد“ (باقی آئندہ)

بالحیثہ

ارشاداتِ رسالت

ﷺ

- ہو شخص اس خصلتِ حمیدہ عاری ہو وہ درحقیقت زیورِ انسانیت سے معزٰی ہے۔ (حدیث)
- (۱۰) معصیت پر معبر کرنا اور معمولِ معبر کے بعد شکرِ معبر ادا کرنا اسلامی برتری کا اصلی خزانہ ہے۔ (حدیث)
- (۱۱) اگر خود مسلمانوں کے آپس میں ایک دوسرے کے نزاع پیدا ہو جائے تو اس کا مرافعہ خدا اور اس کے رسول کے احکام سے ہونا چاہئے۔
- (۱۲) قیامت کے آداب ظاہر ہو جائیں گے بعد اموں کے طاری ہو جائیں گے بعد پیر کی کا ادا ملے اسلام قبول نہیں کیا جائیگا۔ (حدیث)
- (۱۳) خدا توبہ قبول کرنے میں اس قدر فیاض ہے کہ آج اس کی نظیر میں دنیا کے اند کوئی مثال نہیں ہو پیش کیا جسکے۔ (حدیث)
- (۱۴) انبیاء و مرسلین کا خدا کی بارگاہِ قدس میں ایک خاص مرتبہ و امتیاز ہے۔ لیکن انکے مراتب کو ہم اور تم احساس نہیں کر سکتے۔ (حدیث)
- (۱۵) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنا ہی اصل ایمان ہے۔ (حدیث)
- (۱۶) فلاح پانویں لوگ وہی ہیں جنکے لئے قضا کا حکم ہو جائے۔ (۱۰)
- (۱۷) سیرِ بعد میری امت میں سب سے بتر ابو بکر ہیں۔ پھر عمر ہیں۔ (حدیث)

بقیہ صفحہ ۳۳۔ پڑھی ہوئی ہیں "پاکستان میں اسلام زندہ کر نیوالے" ہمارے یہ کارِ حکومت ان مرکزوں میں کرانکو آباد کرنیکی بھی کوئی کوشش کرتے ہیں ؟

گراس لحاظ سے دیکھا جائے تو بقول لسانِ العصر رحمہ اللہ
گر جانتوں کہ نیکو کشتی بھی ہیں موجود + مسجد میں کوئی "خانِ جہاد" نہیں ہے

- (۱) اگر تمہارے ساتھ کوئی احسان کرے تو اس کا بدلہ دو۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو اسکے لئے دعا کرو۔ (حدیث)
- (۲) مظلوم کی بددعا سے بچو۔ کیونکہ اسکے بعد اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں۔ (حدیث)
- (۳) اگر تم کسی کی عیب جوئی کرنا چاہو تو سب سے پہلے اپنے عیب پر نگاہ ڈالو۔ (حدیث)
- (۴) آپ نے مردوں کو گالی دینے سے منع فرمایا۔ (حدیث)
- (۵) اپنے بھائی و مسلمان کی مدد کرو۔ چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ کنا گیا کہ ظالم کی کیونکر مدد کی جائے ؟ ارشاد ہوا کہ اسے ظلم کرنے سے منع کرو۔ یہی اس کی مدد ہے۔ (حدیث)
- (۶) مومن میں یہ دو خصلتیں جمع نہیں ہو سکتیں..... بخل اور بد خلقی۔ (حدیث)
- (۷) جس شخص نے کسی تنگ کو کپڑا پہنایا اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز جہنم کے کپڑے سرفراز کریگا۔ جس نے کسی بھوکے کو کھانا کھلایا۔ اللہ تعالیٰ اسے قیامت میں کھانا کھلائے گا۔ جس نے کسی مسلم کو پیاس کی حالت میں پانی پلایا۔ خدا تعالیٰ اسے قیامت کے دن جہنم کے حوض سے پانی پلایا۔ (حدیث)
- (۸) اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو۔ ایک دن تم کو اس سے ضرور طاقی ہونا پڑیگا۔ (حدیث)
- (۹) خندہ جبینی کے ساتھ پیش آنا انسانی اخلاق کا مہیا ہے

سیدنا محمد اکرم اللہ

(حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی)

إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فضائل میں روایتیں بہت ہیں۔ ۱۴۱۰ھ میں فرماتے ہیں کہ اس کثرت کے ساتھ اور کسی صحابی کے فضائل کی روایات نہیں ہیں۔ اس کثرت کی خاص وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں آپ کے مخالف بہت لوگ تھے۔ ان مخالفین میں بعض لوگ تو خاص خاص امور میں آپ کو خطا پر سمجھتے تھے اور آپ کے فضائل کے منکر نہ تھے۔ جیسے حضرت معاویہ وغیرہ اور بعض لوگ فضائل کیا معنی آپ کے اسلام ہی کا انکار کرتے تھے جیسے خوارج۔ ان مخالفین کی وجہ سے آپ کے فضائل کی روایات کا چرچا زیادہ ہوا۔ اور بار بار بیان کرنے کی وجہ سے روایات کی کثرت ہو گئی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ان روایات میں شیعوں نے اپنی موضوعات اس قدر شامل کر دیں کہ آج حضرت علیؑ کے فضائل کی روایات میں صحیح و سقیم کا امتیاز آسان نہیں ہے۔ تنقید کے بعد بہت کم روایات پایہ ثبوت کو پہنچتی ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت میں کفار سے جہاد بالکل موقوف رہا۔ اور اسلامی فتوحات میں اضافہ نہیں ہوا۔ آپ کا تمام زمانہ خلافت آپس کی لڑائیوں میں صرف ہو گیا۔ تین لڑائیاں آپ کے پیش آئیں۔ (اول)

نام مبارک آپ کا علی۔ لقب اسم اللہ اور حیدر اور مرتضیٰ۔ کنیت ابو الحسن۔ ابو تراب۔ نسب آپ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی قریب تھا۔ آپ کے والد ماجد ابو طالب جن کا وہ نام عبد مناف تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد بھائی بھائی ہیں۔ آپ کی والدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں۔ ماں باپ دونوں کی طرف سے آپ ہاشمی ہیں۔ آپ کے والد تو مشرف باسلام نہیں ہوئے۔ البتہ آپ کی والدہ مشرف باسلام بھی ہوئیں۔ اور انہوں نے ہجرت کا بھی شرف حاصل کیا۔ پچھن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ بلکہ آپ ہی کی گود میں پرورش پائی۔ آپ نے اپنی پہلی بیٹی حضرت فاطمہؑ کے ہاں سے ان کا نکاح کر دیا۔ اور انہیں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل جاری ہوئی۔ بڑے فصیح و بلیغ، اعلیٰ درجہ کے خطیب اور بہادر تھے۔ زہد میں بھی ہیں بھی آپ کا قدم نہایت راسخ تھا۔

مسئلہ یہ ہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مسندِ آرائے خلافت ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد آپؑ بجائے مدینہ منورہ کے کوفہ کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ تین دن کم پانچ سال تختِ تاج پر رہ کر تباہ کن عمارتِ مدینہ المکرمہ کے مسئلہ عبد الرحمن م غازی کے ہاتھ سے بھگام کوفہ شہریت شہادت نوش فرمایا۔ کوفہ کے قریب مقام نجف میں مدفون ہوئے إِنَّا لِلّٰہِ وَ

بقیہ ص ۱۱ - الفاظ بزرع فزع اسکی زبان سے ظاہر ہوئے (حدیث)
 (۲۰) پخت لوگ دوزخ میں جائیگے۔ اور وہاں وہ ہمیشہ چھینے
 چلاتے رہیں گے۔ (قرآن مجید)
 (۲۱) ہو لوگ نیک ہیں وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ (قرآن مجید)
 (۲۲) پانی پینے کے وقت تین بار سانس لینا چاہئے۔ (حدیث)
 (۲۳) مخلوق خدا کیساتھ نیکی کرنا دینداری کی لہلیں ہر۔ (حدیث)
 (۲۴) جو شخص دنیا میں راہ نجات دیکھنے سے اندھا رہ گیا وہ اس عالم میں
 بھی اندھا رہیگا بلکہ اس سے زیادہ گم کردہ راہ ہوگا۔ (قرآن مجید)
 (۲۵) زمی گفتگو کرنا اپنے احباب شناسا لوگوں سے ملاطفت سے
 پیش آؤ۔ اسی میں جو ہر آدمیت پوشیدہ ہے۔ (قرآن مجید)

جنگ جمل جس میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور حضرت
 طلحہؓ و زبیرؓ سے آپ کو لڑنا پڑا۔ (دروم) جنگ معین جس
 میں حضرت معاویہؓ (اہل شام سے مقابلہ ہوا۔ (سوم)
 جنگ نہروان جس میں خوارج سے مقابلہ ہوا۔

ان تینوں لڑائیوں میں خواجہ کی لڑائی تمام صحابہ کے
 نزدیک پسندیدہ تھی۔ احادیث میں بھی اس لڑائی کی پیشینگوئی
 ہے۔ اہل اس کے متعلق رضامندی کا اظہار کیا گیا۔ مگر جنگ جمل
 معین کو اکثر صحابہ نے ناپسند کیا۔ اور بہت سے محتاط لوگ مثل
 حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کے ان سے کنارہ کش رہے۔

♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦ ♦

حضرت صدیق کی سادگی

(صاحبزادہ آفتاب احمد صاحب رئیس رتہ پیران)

چادر کھنٹے ہی میری مجھے دینا کفن!
 ہم ہیں اتنے آپ کی اولاد میں بھائی بہن
 زندہ لوگوں کو جہاں میں ہر تزیین بدن
 دفن کر دینے پناہ کا ایک ملبوس کفن
 زینت و دربار تھے جس کے ہشتی و درشن

کی وصیت عائشہؓ کو حضرت صدیقؓ نے
 عرض کی بیٹی نے کر لیں گے نئے کا انتظام
 آپ نے فرمایا۔ بیٹی! جامہ نو تو چاہیے
 شان گھٹ جائیگی کیا میری۔ اگر وارث مجھے
 تعایہ عالم سادگی کا اس شہرہ دیجاہ کا

خدا اللہ تعالیٰ جس کی فوج کا سالاد تھا
 کاسپتے تھے دبدبہ سے جس کے شاہان ہمن

۱۵ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح، حضرت عبدالرحمن بن
 عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، اور حضرت سعید بن زید
 جو حضرت ابو بکرؓ سمیت عشرہ مبشرہ ہیں ۱۲

تذکرۃ الہم کر

حضرت الحاج الحافظ مولانا غلام محیو بجوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت آپ کی ولادت ۱۲۵۵ھ میں بمقام بلکہ شریف ہوتی بعض اصحاب باطنی بعد ولادت حضرت استاذ الکملؒ کو بشارت دی کہ آپ کا یہ صاحبزادہ صاحب علم و فضل و صاحب نظر ہوگا۔
تعلیم و تربیت آپ آغاز ہی سے نہایت ذکی و تیز طبع تھے۔ اور ہر قسم کے علم و فضل کے حصول کیلئے خدا نے آپ کی مزاج میں بڑی پیاس رکھی تھی۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام کتب درسی مروجہ آپ نے حضرت استاذ الکملؒ سے پڑھ لیں۔ اور اکثر انکے حضور میں تدریس کیا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں اپنے والد بزرگوار کے حضور میں تدریس کرتا تھا تو مضامین عالیہ اور نکات لطیف میرے دل پر بارش کی طرح نازل ہوتے تھے۔ آپ نے علم حدیث کی سند حضرت استاذ الکملؒ سے حاصل کی اور تمام علوم مروجہ میں چھوٹی عمر میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ آپ فرماتے تھے کہ مجھے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر باطنی توجہ سے پڑھایا ہے۔ چنانچہ مجھے ایک رات ایک وظیفہ پڑھنے کا حکم دیا۔ خواب میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ میں نے بارگاہ رسالت میں نظر کرم کی التجا کی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا۔ کل امر مہون ہو قہم۔ جب صبح کو میں نے یہ خواب حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض

کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ مبارک ہو۔ دین و دنیوی امور کی درستی کی بشارت ہے۔ اس لئے بعد مجھ پر اس قدر علوم منکشف ہوئے جو ہر مصلہ سے زیادہ تھے۔

بعیت و کسب لہو آپ نے حضرت استاذ الکملؒ سے فیوض باطنی حاصل کئے۔ وفات سے تین دن پہلے حضرت استاذ الکملؒ نے آپ کے

قلب پر انگلی رکھ کر فرمایا۔ ”خدا میری اولاد کا محافظ ہے۔“ آپ فرماتے ہیں کہ اس انگلی نے جو انکیزا اس کی کیفیت بیان میں نہیں آسکتی۔ اور رات کو حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت استاذ الکملؒ کے وصال کے بعد آپ کو مختلف مشائخ کبار سے فیوض حاصل ہوئے۔ چنانچہ سلسلہ نقشبندیہ میں حرمین شریفین میں رہ کر

حضرت شاہ عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت حاصل کی۔ اور پھر ان کے خلفائے مجلس محبت گرم رہی۔ اور چشتیہ سلسلہ میں

اویسی طور پر حضرت قبلہ عالم خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے روحانی تربیت پائی۔ اور دوسرے سلاسل کے

اکثر مشائخ مثلاً حضرت مخدوم گنج بخش لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سلطان بابو رحمۃ اللہ علیہ سے بھی باطنی طور پر

کئی مقالات ملے کئے۔ لیکن بعیت ارادت آپ کی قطب للعالم

مخدوم الانام حضرت باباجی فقیر محمد تیراہی طاہر علیہ رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ چنانچہ باباجی کی کامل عنایت آپ ہی پر ہوئی۔ چنانچہ صاحبزادہ صاحب باولی شریف والا وغیرہ معتبر خلفاء سے سنگایا ہے۔ کہ آں جناب فرماتے تھے۔ کہ میں اپنے مولوی صاحب کو جو کچھ دیا ہے کسی کو نہیں دیا۔ آپ جب پہلی بار دربار پورہ شریف پر حاضر ہوئے تو حضرت بابا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام صاحبزادگان اداہم اللہ فیہم کو جمع کر کے آپ کے پیش فرما کر ارشاد کیا کہ انکے حق میں دعا کریں۔ اور پانچ روپیہ دوا یک دستار عنایت فرما کر ہر ہمارے سلسلہ کی اجازت عطا فرمائی۔ آپ نے عالی مہمتی کے باعث نہایت عجز سے عرض کیا۔ کہ میں اس قابل نہیں ہوں۔ حضرت باباجی نے فرمایا۔ خلیل الناس من ینفع الناس آپ خلق خدا کی نفع رسانی سے کیوں اجتناب فرماتے ہیں۔ پس آپ پر حالات باطن کا اس قدر غلبہ ہوا کہ خود بخود ارشاد پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ آپ کی مجلس میں اکثر اوقات انوار و برکات بارش کی طرح برستے تھے۔ اور ادنیٰ سے اعلیٰ تک ہر قسم کے طالب مستفیض ہوتے تھے۔ جب آپ دربار شریف سے واپس تشریف لائے تو آپ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواب میں زیارت ہوئی۔ اور صدیقی مرتبہ سے کامل حصہ عطا ہوا۔ یہ واقعہ آپ نے حضرت باباجی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے نہایت مسرت سے فرمایا کہ آپ کا کام پورا ہو گیا۔

شاہی مسجد لاہور کی خطابت

شاہی مسجد لاہور کو چھادنی قرار دیتا تھا۔ مسجد کا محض گھوڑے اور غجروں کی لید سے ناپاک رہتا تھا۔ شمالی اور جنوبی حجرے میگزین کے طود پر استعمال ہوتے تھے۔ خانہ جنگی کے ایام میں شاہی مسجد لاہور پر سکھوں کے ایک فرقہ نے قبضہ کر لیا۔ اور مسجد

میناروں سے قلعہ پر گولہ باری کی۔ قلعہ والوں نے بھی جوابی گولہ باری کی۔ جس سے مسجد کے دروازے شکستہ ہو گئے۔ اور میناروں کی ایک ایک منزل گر گئی۔ انگریزی عہد میں بھی کچھ عرصہ شاہی مسجد لاہور فوجی گوردی کا مسکن قرار پائی۔ حضرت مولانا الحاج الحافظ غلام محمد گوبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لیکر شاہی مسجد لاہور کو واکانڈ کر لیا۔ اصحاب کی نگرانی میں قریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ اس کی مرمت پر خرچ ہوا۔ تطہیر مسجد کا یہ اہم فریضہ قیام ازل سے آپ ہی کے حصہ میں رکھا تھا۔ ڈپٹی برکت علی صاحب مرحوم۔ فقیر جمال الدین صاحب مرحوم۔ ددگیرا کابرا لاہور کے اصرار پر مولانا مرحوم نے لاہور میں اقامت اختیار فرمائی۔ اور مسجد شاہی لاہور کی تولیت و خطابت کے فرائض آپ ہی کے ذمہ رہے۔ پنجاب و ہندوستان کے علماء و مشعل مسائل میں آپ سے استفتاء کیا کرتے تھے۔ آپ کے اکثر صحابہ انجمن مشاعر العلماء لاہور نے فتاویٰ مبارکہ کے نام سے شائع کئے ہیں۔

عام حالات

آپ شروع ہی متدین اور بدع و تقویٰ کے عادی تھے۔ نہ آپ کی طبیعت میں غفلت کوٹ کوٹ کر بھرتھا۔ لہٰذا آپ سے آپ تعجب نہ ہوا تھا۔ اور اکثر شب بیداری کرتے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر آپ کی زبان مبارک سے سنگایا کہ جناب کبھی کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے۔ اور کبھی کسی صغیرہ پر اصرار نہیں ہوا۔ یہ ایک عالی مقام ہے جس کو اہل باطن خوب جانتے ہیں۔ مگر آپ کا پایہ اس سے بھی بلند تھا۔ آپ نہایت عالی ہمت اور صاحب عزم تھے۔ بروقت مشاہدہ جمالی ازلی میں مصروف و متحیر رہتے تھے۔ روحانی خشک سالی کے ایام میں ایک امنڈتا ہوا دیار تھے۔ جس سے اہل سعادت خوب سیر ہوئے۔ ایام حیات میں اکثر آپ سر پر ایک اوڑھنی ہوتی تھی جس سے چہرہ مبارک کچھ کچھ چھپا رہتا تھا۔

اور عام لوگوں کی طرح اپنے عزیز واقربا میں زندگی بسر کرتے تھے۔
بھینس کا دودھ اپنے ہاتھ سے دودھ لیتے، مویشی کو چارے اپنے ہاتھ
سے دیتے۔ مساکین کی خبر گیری اور ان کی خدمت کئے لئے کربتہ
سہتے تھے۔ جہان نوازی اور فرخ دلی میں شہرہ آفاق تھے۔

آپ کی رفتار نہایت نرم اور باوقار تھی۔ گفتار نہایت حلیمانہ
و حلیمانہ تھی۔ آپ کا کلام مؤثر و دل نشین ہوتا تھا۔ بڑے
بڑے مشکل و پیچیدہ مسائل کو نہایت ہی آسان پیرایہ میں
بیان فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک نہایت ہشاش بشاش
رہتا تھا۔ اور ہر کسی سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔

آپ کی زیارت کرتے وقت دل کو تسکین ہو جاتی تھی۔ ہر شخص
آپ کے اخلاق حسنہ کا گردیدہ تھا۔ آپ کے اخلاق و عادات و
غصائل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی
کامل جھلک موجود تھی۔ آپ روزانہ ایک منزل قرآن مجید تلاوت
فرمایا کرتے تھے۔ اور ساتویں دن قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔
آنو زمانہ زندگی میں بالکل معائم الدھر اور قائم اللیل تھے۔

۷ شب تار یک دوستان خدا ہمی بنا بد چور روز خشنده
آپ کے مکاشفات و حالات عجیبہ ہو آپ کے خاص
اوقات میں آپ کی زبان درافشان سے سنے گئے ہیں۔ اکثر
ایسے ہیں جو حضرت قیوم ربانی مجد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے
عالیہ مقامات کا کامل نمونہ ہیں۔ آپ اکثر شہود و توحید کے
ذوق میں سرشار رہتے تھے۔ اور سلطان الاذکار کی گرمی پکڑ
بال بال میں محسوس ہوتی تھی۔ آپ کا زمانہ ارشاد کُل تین
سال ہے۔ اس عرصہ میں جن کو آپ کی خدمت میں فیض
یابی کا شرف حاصل ہوا حسب استحضاد مقامات مجددیہ سحر
برہ ور ہوئے۔

صبح و شام دو وقت حلقہ فرماتے تھے۔ آپ کا طریق
سلوک حضرت مجد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے خاص طریق کے

مطابق تھا۔ آپ اولاً طالب کو لطیفہ قلب روح سرشتی اخفی
نفس عننا صراہ کا ذکر تلقین فرماتے تھے۔ اور بعد ازاں مراقبہ
احدیت، معیت، اقرمیت بحجت اسم ظاہر، اسم باطن، کمالات
نبوت، کمالات رسالت، کمالات الوعزم، حقیقت قرآن،
حقیقت کعبہ، حقیقت صلوة، مہجودیتہ صرفہ تک بالترتیب
توجہ فرماتے تھے۔ آپ سے ہزار ہا کماتیں ظاہر ہوئیں۔ آپ کی
توجہ نہایت تیز اور سریع الاثر تھی۔ لطیفہ قلب سے حقیقت
الصلوة تک ہر ایک شغل الگ الگ تلقین فرماتے تھے۔ اور جس
وقت کسی لطیفہ کی طرف توجہ کرتے فوراً جاری ہو جاتا۔ اور
اس پر فیوض و برکات نازل ہونے شروع ہو جاتے۔ کئی دفعہ
ایسا ہوا کہ جس پر آپ نے نظر کی اس کو سرشار محبت آئی کر دیا۔
اس کے سب دنیاوی تعلقات جو دیوار آہن کی مانند اس کے
حجاب بنے ہوئے تھے۔ سو بج کی تیر کر ٹوں کے سٹنے کھر کی
طرح اڑ گئے۔ اور اس شخص کی بالکل کایا پلٹ دی۔ ابھی کیا تھا۔
ابھی کیا بن گیا۔ عالم ظلمانی سے جذب کر کے عالم نورانی میں
داخل کر دیا۔

اک نظر جس پر پڑی کتنا پھرے

من نہ دیدم چوں تو ہرگز دلبرے۔

آپ کے ایک خاص مستفید کا بیان ہے کہ قبل از بیعت
آپ نے مسکرا کر ایک دن میری طرف دیکھا۔ مجھے اس قدر
بے قراری ہوئی کہ تین دن بعد آپ کی خدمت میں حاضر
ہو کر بیعت سے مشرف ہوا۔ اور اسی وقت سے رقت و
بخود شروع ہو گئی۔ اس بے خودی کی حالت میں یہ شعر
میرا ورد تھا۔

آں دل کہ دم نہ بوئے برغبر و جواناں

بروش بہ یک نگاہے دیرینہ حال پیرے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ سرہند شریف تشریف لے گئے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کا موقع تھا۔ آپ ایک جگہ تشریف لکھتے تھے۔ کہ ایک پیر مرد سفید ریش آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور محبت کے واسطے التجا کی۔ آپ نے فرمایا بھائی ہیں کیا آتے ہے کسی جگہ سے جا کر بیعت کر لو۔ اس پر اس بوڑھے آدمی نے دست بستہ عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلے ہی آپ کی مدد و کھاد دی تھی۔ آپ کے بغیر اور کوئی میرا رہنما نہیں ہو سکتا۔ میں کئی سال سے ہر عرس پر صرف حضور کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوتا ہوں۔ اب آپ خوش قسمتی سے یہاں تشریف لائے ہیں۔ خدا کے لئے مجھ محروم نہ کیجئے۔ اس پر حضرت نے اس پیر مرد کو بیعت فرمایا۔

موضع میانوالی ضلع گجرات کا ایک باشندہ جج کیلئے گیا۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر اس کے پاس نادراہ نہ رہا۔ اس نے مجبور ہو کر قافلہ والوں سے بھیک مانگنے کا ارادہ کیا۔ اسی سال حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی جج کیلئے تشریف لے گئے تھے۔ اور اس کی خوش قسمتی سے قافلہ میں موجود تھے۔ آفتاب غروب ہو چکا تھا۔ سطح ارض پر سیاہی پھا رہی تھی۔ شخص مذکور نے حاضر ہو کر نہایت عاجزی سے استیاد چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس ہشکل اپنے لئے نادراہ موجود ہے۔ تم فلاں مکان پر جہاں چراغ ہیں ہاں چلے جاؤ۔ وہاں سے تمہیں بہت کچھ مل جائیگا۔ شخص مذکور آپ کی نشان دہی پر چل پڑا۔ مہر میں رات کے وقت ایک کوس کے فاصلہ پر چراغ کی ٹو نظر آ رہی تھی۔ شخص مذکور کا بیان ہے کہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ کوس کا فاصلہ لے کر نے کے بعد میں مکان پر پہنچا۔ مجھ پر عالم حیرت طاری ہو گیا۔ ولی اللہ کی زبردست روحانی تصرف نے مجھے ایک آن میں اپنے وطن ضلع گجرات میں پہنچا دیا۔ وہ کان جس میں چراغ تھیں ہاتھ میرا ہی تھا۔

میرے اہل و عیال مجھے دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑے۔ سناڑ عشاء کی ابھی اذان نہ ہوئی تھی۔ اس عرصہ میں سمندر، ریگستان پہاڑ اور کئی ہزار میل طے کر کے گھر میں پہنچ جانا ایک حیرت انگیز معاملہ تھا۔ جس کا پرچا بدلتوں اہل وہ کی زبانوں پر رہا۔

وفات آپ نے اپنی وفات سے کئی روز پہلے کمال شفقت سے اپنے عزیز بھتیجے حضرت مولانا

مولوی محمد ذاکر مگدھی رحمۃ اللہ علیہ کو تمام اشغال مجددیہ حقیقت الصلوٰۃ تک قرآناً و فرائضاً تلقین فرما کر چند دنوں میں اجمادات عطا فرمائی۔ اور فرمایا کہ میرا وقت ہو چکا۔ اب یہ وظائف اور اشغال یا ران طریقت کو تلقین کیا کرو۔ وفات سے چھ ماہ پیشتر آپ کی طبیعت مبارک خلوت کی طرف زیادہ مائل ہو گئی۔ اور استغراق کے باعث توجہ و تلقین کی طرف التفات کم ہوا۔ جمادی الاول کے آخری عشر میں آپ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ اس حالت میں مراقبہ میں متفرق رہے۔ اور اکثر فرماتے تھے۔ شکر اللہ منم غلام نبی جمادی الثانی کی پہلی تاریخ کو پوچھا کہ کونسی رات ہے۔ عرض کیا گیا کہ جمعرات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اب یقیناً وقت آگیا۔ اسی رات ضرور کا دمایا فرمائے۔ اور تمام نیاز مندوں کو علیحدہ علیحدہ وداع فرمایا۔ اور مراقبہ میں مستغرق ہوئے۔ اور چہارم جمادی الثانی کو پوچھتے سحر نفی اثبات کی مشغولی میں جاں بحق تسلیم فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مادہ تاریخ وفات: ۱۳۱۸ھ

یچھا ہے پنجاب کا چراغ آہ اب

۱۳۱۸ھ

بقیہ ص ۱۸۔ اور ہر جگہ یہ دیکھا جا رہا ہے کہ تحریک اسلامی کے مرکز سے مسجد پر شیعہ خواں ہیں کہ مازنی نہ ہے۔ اور بنیان سال سے امرائے دولت میں ہیں غافل ہم سے۔ کا شکوہ کرتے ہیں۔ کاش محترم شتر صاحب تحریک اسلامی کے ان مرکز کو بھر آباد رکھنے کی کوئی عملی تحریک شروع کریں۔ اور ارض پنجاب میں نکلنے کے بعد قادیان

اسلام کیلئے؟

(اداریہ)

ہم مسلمانوں کی تمام بدچلتیوں، بھروسوں، ذلتوں اور بے ادبیوں کی بڑی سب سے کچھ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دوسری قوموں کے مقابلے میں فخر کرتے اور بارگاہ الہی میں شکر کرتے ہیں۔ مگر باوجود اس فخر و شکر کے ہماری اکثریت یہ نہیں جانتی کہ اسلام کیلئے؟ مسلمان کیلئے؟ اس اسلام کے مقاصد و مطالبات کیا ہیں؟ اس لاعلمی نے شعور ہی نے مسلمانوں کو غریب کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اسلام کی حقیقت کے شناسا اور اسلامی فہم و بصیرت کے مالک ہیں وہ اسلام کا عملی نمونہ اور زندہ تفسیر بن کر چارے سامنے نہیں آتے۔ اسلامی حقائق و معارف کے زبان و قلم سے دریافت بہت ہوتے ہیں، اسلامی زندگی اور اخلاقی قدروں پر لگے پھاڑ بھاڑ و وعظ کرتے، درس دیتے اور نصیحت کرتے ہیں۔ مگر خود ”لَمْ تَقُولُوا مَالًا تَفْعَلُونَ“ کی منہ بولتی تصویر ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے ماہرانہ و مصلحانہ مقالے اور خطبوں و محاوروں میں گم ہو کر رہ جاتی ہیں کسی ایک زندگی میں کوئی انقلاب و تبدیلی نہیں پیدا کر سکتیں۔ ہاں جذباتی اور وقتی طور پر یہ تحریریں اور تقریریں ضرور کام دیکھتی ہیں۔ عوام کو اس لاعلمی سے شعوری اور خواص کی بے علمی نے مسلمانانہ درگاہ مسلمانانہ درگاہ کا منظر دنیا کے سامنے پیش کر رکھا ہے۔

ایک زمانہ تھا کہ خواجہ حسن بھریؒ وعظ کیتے تھے۔

تو ہزاروں مسلمانوں کے مجمع میں کہہ اے مجھ جانا۔ بڑے بڑے

فرعون بھرت اور شیطان صفت لوگ اس سے متاثر ہو کر طاعت و عبادت کے دلاوہ بجاتے۔ کئی زندگیوں میں انقلاب رونما ہو جاتا اور مرے ہوئے دل زندہ ہو جاتے تھے۔ ابن جوزیؒ وعظ کیتے تو بڑے بڑے سنگدل لوگوں کے دل موم ہو جاتے۔ سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ممبر مراد نقیؒ فرزند ہو کر وعظ و تذکیر کرتے تو ہزاروں دل لرز جاتے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور چور و ڈاکو، غوث و قطب بجاتے۔ صوفیائے کرام کی صحبتوں میں رہ کر ہزاروں لاکھوں انسان حبیبہ اللہ کا رنگ اختیار کرتے اور اپنے دل و دماغ کو اسلامی اصولوں کے سانچے میں ڈھال لیتے تھے۔ یہی کیفیت قرون ماضیہ کے صدہا ائمہ و اکابر، علماء و فضلاء، اور صوفیاء و مشائخ کی کتب تاریخ دیر میں مذکور ہے۔ ایسے ایسے بزرگ بھی گزرتے ہیں کہ ان کے چند کلمات وہ مہجر نامہ اور انقلاب انگیز کام کر جاتے تھے جو سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ سے بھی نہ ہو سکتا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ممبر پکھڑے ہوئے۔ قدسے تامل کیا۔ اس کے بعد ایک خاص اور موثر اثر انداز میں فخر ”الکلمہ“ کہا۔ اسی ایک لفظ نے اہل مجلس پر دیر تک خشیت الہی کی رقت طاری آہ آہ و زاری کا ہنگامہ برپا کئے رکھا۔ اسی قسم کی بیشمار مثالیں اور نظیریں پائی جاتی ہیں۔

تحریر و تقریر کی تاثیرات کہاں کہیں

آج مسلمانوں میں بڑے بڑے علماء و فضلاء، صوفیاء و مشائخ

اثر کیا خاک ہو سکتا ہے۔ جبکہ لیکچر کی شکل و صورت، طرز و طریق، طرز بود و ماند اور ناز و انداز فرنگیانہ ہو۔ اور اس کی زندگی میں اسلامی اخلاق و اعمال کا نام و نشان تک نہ ہو۔ اسی طرح اسے ذکر و اذکار، ورد و وظائف، دس و تندرہیں اور وعظ و خطبہ کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ جبکہ قبلہ مولوی صاحب و خطیب صاحب پیر صاحب اور عابد و نایب صاحب کا اسلام ناز، روزہ، درود اور وعظ سے آگے نہ بڑھتا ہو۔ اُن کا ظاہر شریعت کے مطابق ہو اور باطن میں کپڑے پڑے ہوئے ہوں۔ پبلک لائف کچھ ہو اور پرائیویٹ زندگی کچھ اور خلوت و جلوت میں زمین و آسمان کا فرق ہو۔

جہالت و لاعلمی اور نفاق و بے عملی

عوام کا اصل مرض جہالت و لاعلمی ہے۔ اور خواص کا مرض نفاق و بے عملی۔ جہاں اسلام کا علم ہے وہاں عمل نہیں۔ اور جہاں عمل ہے وہاں علم نہیں۔ عمل علم سے نا آشنا ہے۔ اور علم عمل سے محروم۔ اسلام نے مسلمانوں کو دینی تعلیم و تربیت کے ہر اصول اور نقشہ دیا تھا اس کے مطابق تعلیم و تربیت کا کہیں بھی انتظام نہیں۔ نیز اسلام نے مسلمانوں کو دینی استقامت کا بھی شدید حکم دیا تھا۔ اور وہ دن میں پانچ مرتبہ استقامت کی توفیق کے لئے دعا بھی کرتے ہیں۔ اور صراط مستقیم پر قائم رہنے کا عہد بھی کرتے ہیں۔ مگر عملی حالت اس کے برعکس ہے۔ دعا بھی رسمی اور عہد بھی رسمی۔ اس لئے دونوں بیکار و بے اثر۔

ستم بالائے ستم یہ کہ ہمارے مذہبی پیشواؤں اور سیاسی رہنماؤں نے دوسرے مذاہب کی دیکھا دیکھی اسلام کو بھی ایک مذہب یا دھرم بنا رکھا ہے۔ یعنی اسلام چند عقائد و عبادات رسوم اور اخلاقی مضابطوں کا نام ہے۔ اسے تمدن و سیاست

ادب و اہل قلم اور سحر البیان خطیب موجود ہیں مگر تحریر و تقریر کی تاثیرات کا کہیں نام و نشان تک موجود نہیں۔ موصوفانِ صابر لیکچر دیتے جاتے ہیں۔ انقلاب انگیز آرٹیکل سپر و قلم کئے جاتے ہیں اسلام کی حقانیت و صداقت پر دلآویز مضامین لکھے جاتے ہیں۔ پانچ پانچ گھنٹے جم کر ایسی دلچسپ و مسرور کن تقریریں کیجاتی ہیں۔ کہ ہزاروں کے مجمع میں سے ایک شخص بھی اٹھ کر نہیں جاتا۔ مگر ان میں سے کسی چیز کا کوئی اثر و نتیجہ مشاہدہ میں نہیں آتا۔ بھائے اس کے کہ مسلمان اسلام کے نزدیک آئیں وہ اور زیادہ دور ہوتے جا رہے ہیں۔ دلوں کی تیرگی و قسوت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ بے مہاروی، عیاشی، بدکاری اور آوارگی کا سیلاب بڑھتا جا رہا ہے۔ اور ہر ہی سہی دینداری بھی خطرہ میں ہے۔

جن کے دل و دماغ پر اسلام کے سیاسی تصورات چھائے ہوئے ہیں اور انقلابی ذہن کے مالک ہیں وہ کہتے ہیں تحریر و تقریر کی تاثیرات کو باطل نظام اور برسرِ اقتدار طبقے کی بے دینی نے دبا رکھا ہے۔ قیادت کا فسق و فجور لوگوں کو دین و اخلاق کی طرف نہیں لے دیتا۔ ارباب قیادت و حکومت عوام کو بے دینی کی طرف لیجا رہے ہیں۔ ایسی حالت میں بچائے مولوی، پیر، خطیب اور دینی رہنما کیا کر سکتے ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ ارباب قیادت و حکومت کا رخ دین و اخلاق کی طرف نہیں۔ مگر تمام الزام و قصور برسرِ اقتدار طبقے پر ڈال کر مذہبی پیشواؤں اور مصلحین قوم کا خود برہمی اللہ ہو جانا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اسی چیز پر بھی یہ عرض کرنا ہے کہ واعظین و مصلحین کی تحریر و تقریر کی بے اثری کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے پاس صرف قول ہی قول ہے۔ عمل نہیں۔ اور قول بلا عمل کا اثر خاک بھی نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کی بہتری اور اسلام کی برتری کے لیکچر کا

ذمہ داری لیتا۔ انفرادی واجتماعی طور پر مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کے آئین و ضوابط دیتا۔ اور سیاست و حکمرانی کے بہترین دستور سامنے لاتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح کرتا ہے کہ اسلام کا یہ ضابطہ حیات کسی زمانہ اور کسی ماحول میں بھی ناقابل عمل نہیں۔ اگر مسلمانوں میں اطاعت الہی کا جذبہ صادقہ، بیرونی نبوت کا داعیہ، انثار و قربانی کا ولولہ، اور جہاد فی سبیل اللہ کی اسپرٹ جوڑ سلاھی نظام کے قیام کی راہ میں دنیا جہان کی شیطانی اور طاغوتی طاقتیں بھی مزاحم نہیں ہو سکتیں۔ خلافت راشدہ کے عہد میں دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ اسلام بحیثیت ایک مکمل نظام حیات کے کس طرح قائم ہوا۔ اور کتنے شاندار و انسانیات پرور نتائج دینے دیکھے۔ یہ بھی نہیں کہ یہ پیڑیں کسی عہد یا ملک یا نسل یا حالات کے ساتھ مخصوص ہیں بلکہ ہر ملک کے لئے موزون، ہر نسل کے لئے مناسب اور عہد کے لئے جدید ہیں۔

اسلام مسلمانوں سے کیا چاہتا ہے؟

جب ایک مسلمان اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں زندگی کے تمام معاملات و مسائل میں قوانین الہیہ کا اقتدار کروں گا۔ ہر مسئلے کو صرف اسلامی نقطہ نظر سے دیکھوں گا۔ ہر معاملہ پر مسلمان کی طرح غور کروں گا۔ ہر حال اسلامی اصولوں کی پیروی کروں گا۔ اور ساری زندگی کو قرآنی آیات کے سانچے میں ڈھالوں گا۔ اگر کسی معاملہ یا مسئلہ یا مرحلہ میں دیدہ و دانستہ یا سہو و نسیان سے خدائی کوئی نافرمانی کروں گا تو فوراً توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے دامن زندگی کو پاک کروں گا۔

اجتماعی حیثیت سے مسلمان ہونے کے دعویٰ کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی تنظیم کریں گے تو ان اصولوں

کوئی تعلق نہیں۔ لہذا مذہب الہک اور سیاست الہک۔ اس علیحدگی نے مسلمانوں کو دو متضاد و متخالف پیڑیں بنا دیا ہے۔ یاد رکھئے کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح ایک مذہب اور دماغی آرائش کی چیز نہیں۔ بلکہ یہ ایک دین اور مکمل نظام حیات ہے۔ یہ دین دوسرے ادیان کی طرح آسمانی بادشاہ یا نجات دہان کا وعدہ کرنے کے بعد ہمیں دینا میں ہے یا رد و مددگار اور بے نظام و آئین نہیں چھوڑتا۔ یہ ایک تمدنی واجتماعی ضابطہ حیات یا ایک سوشلزم ہے۔ اس حیثیت سے وہ زندگی کے تمام شعبوں کو ایک دوسرے سے پیوستہ اور مربوط قرار دیکر زندگی کا پورا ضابطہ پیش کرتا ہے۔ اور مطالبہ کرتا ہے کہ اپنی پوری کی پوری زندگی اطاعت الہی اور احکام خداوندی کے سپرد کر دو۔

اسلام کی جامعیت

اسلام خواہشات و جذبات نفس کو مذہب بنانا اور اس کے منہ میں تقویٰ کی لگام دیتا ہے۔ اوہام و فتنوں کا قلع قمع کر کے علم و یقین کی دولت سر مالہاں کرتا ہے۔ عقل کو آزاد نہیں چھوڑتا کہ وہ انسانوں کو جس کھڑ میں چاہے جاگرتے، جو چاہے کرے اور نفس کی لوٹنی بن کر اور جذبات کی غلامی اختیار کر کے اپنی ساری قد و قیمت کھو دے۔ اور عصمت فروشی پر اتر لے۔ بلکہ وہ عقل سے صحیح طور پر کام لینا سکھاتا ہے۔ اس کے حدود و فرائض متعین کرتا ہے۔ اور اس کو ایک طرف فیصلہ کرنے، ناسازگار ماحول سے سازگاری پیدا کرنے، ضمیر فروشی پر اترنے اور شرف انسانیت کو خاک میں ملا دینے کی کسی طرح اجازت نہیں دیتا۔ اسی طرح سائنس کی حدود و قیود بھی واضح و معین کرتا۔ اخلاق کے معتدل و متوازن اصول ٹھہراتا۔ معیشت و معاشرت کی تمام کو حل کرتا۔ عدل و مساوات کو قائم کرتا۔ امن و راحت کی

کے مطابق اور ان حدود کے اندر جو قرآن و حدیث نے مقرر کئے ہیں، ایسی اصلاح کریں گے تو طریق نبوت کے مطابق۔ ترقی کریں گے تو قوانین الہیہ کے مطابق۔ تجارت کریں گے تو حدود الہی کا لحاظ کرتے ہوئے۔ حکومت کریں گے تو خلافت راشدہ کے مطابق۔ جنگ کریں گے تو قرآن کے دستور جنگ کے مطابق، صلح کریں گے تو خدا و رسول کے احکام کے مطابق۔ معاشی مسئلہ حل کریں گے تو ہدایت الہی کی روشنی میں، اور معاشرتی اصلاح کریں گے تو اسوہ حسنہ کی ہدایت کے ماتحت۔ الغرض ہمارا اصول زندگی صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہو گا۔ ہم اصلاح و تنظیم اور تہذیب و ترقی کے لئے دوسروں کی تقلید و پیروی نہ کریں گے۔ اللہ و رسول کے حکم کے خلاف کسی کی اطاعت جزیء یا کلاً ہمارے حدود و عمل سے خارج ہوگی۔ ہم خدا کے نافرمان کی کسی حالت میں اطاعت نہ کریں گے خواہ وہ بادشاہ و پیر یا امیر و خلیفہ، پیر یا مولوی، دوست ہو یا رشتہ دار نفس کی خواہش ہو یا شیطان کا وسوسہ، برادری ہو یا رواج ملحد ہو یا حاکم۔ ہاں تمدن و سیاست میں امن و انتظام قائم رکھنے کے لئے اسلام نے جن جن کی اطاعت و فرمانبرداری اور حسن سلوک کی تعلیم و اجازت دی ہے تو ہم حکم الہی کے مطابق ان کی اطاعت کریں گے۔ الغرض ہمارا اصول الحبس الیہ و البغض الیہ ہو گا۔

خلافت الہیہ اور اس کے حصول کی طریقہ

مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ یا نصب العین قیام امر بالمعروف و نہی عن المنکر یا قوانین الہیہ کا اجراء و نفاذ یا خلافت الہیہ اور اسلامی نظام کا قیام ہے۔ اور مذکورہ بالا راستہ ہی ہے جس پر چل کر وہ خلافت الہیہ کے اعلیٰ مقام

اور منصب امامت کو حاصل کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ قرآن و حدیث کے بتائے ہوئے نصب العین کو حاصل کر کے کیلئے قرآن و حدیث ہی کے بتائے ہوئے لائحہ عمل کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان اسلامی نصب العین کو کسی غیر اسلامی طریق عمل سے حاصل کر لیں۔ ہر مسلمان کا انفرادی طور پر فرض ہے کہ وہ اپنی ہمت و بساط کے مطابق اس نصب العین کے حصول میں کوشاں ہو۔ اس مقصد کے لئے ہر ممکن قربانی دے۔ اور امت کو اسی راہ عمل پر پڑھنے میں مدد دے۔ اسی طرح پوری امت کا اجتماعی طور پر فرض ہے کہ وہ اس نصب العین کو کس حالت میں بھی اپنی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے دے۔ اپنا نصب العین اور طاقت و اقتدار حاصل کرنے کے لئے کفار و مشرکین کے انکار و اعمال کو اختیار و احباب سے امداد و تعاون حاصل نہ کرے۔ الغرض اپنے ہر فرد و عمل کو اسلام کے تابع کر دے۔

مسلمان ہونے کے بعد ایک لیڈر درپہنہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ دعویٰ تو کرے اسلام کی حفاظت و بقا اور تبلیغ و اشاعت کا۔ اور مسلمانوں کی بہتری و برتری کا۔ مگر طور طریقے اور شکل و صورت اختیار کرے غیر مسلموں کی۔ ایک پیر اور مولوی کو یہ اجازت نہیں کہ وہ مذہب کے نام پر، بدگی کا لبادہ اوڑھ کر سادہ لوح عوام کی جیبوں پر ہانکے ٹالے۔ ایک اللہ کی راہ سے روکے۔ ان کے اخلاق و اعمال کو بگاڑے۔ ایک ادیب اور اہل قلم آزاد نہیں کہ قوم کے ذہنوں کو حسن کا پجاری، دولت کا پرستار، برہنگی، زنا کاری کا دلدادہ اور نفس و شیطان کا بندہ بنائے۔ ایک مسلمان شاعر کو اس کجروی کا حق نہیں کہ وہ قوم کو مذہب و اخلاق سے بیزاری اور عیاشی کا سبق دے۔ اور ایک تاجر کو اس بات کی اجازت

من بھلائے اور اوہام و خرافات ہیں۔

ایسے پیشہ ور اور پیروں و مولویوں کے بگاڑے ہوئے گنہگار مسلمانوں کو قرآن پاک کا یہ اصول اور قانون کان کھول کر سن لینا چاہیے۔

اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے
بچتے رہو گے جو منع کئے جاتے
ہو اُس سے تو، دو مکس گے
ہم تم سے جو ایسا تمہاری اور
داخل کریں گے ہم تمکو عزت
کی جگہ میں۔

یعنی اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے تو صفیہ گناہوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کر دیں گے۔ بہر حال کبیرہ گناہوں سے اجتناب ہر مسلمان کے لئے لازمی شرط ہے بخشش و نجات کی۔ پھر یہ بھی یاد ہے کہ اگر اللہ کے حقوق ادا کرنے میں غفلت و کوتاہی ہوگی تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں وہ اپنے قصور اور اپنے حقوق کی کوتاہیاں معاف کر دیں گے۔ مگر حقوق العباد میں اگر حق تلفی کی ہوگی تو اسکو ہرگز معاف نہ کریں گے۔ لایہ کہ صاحب حق معاف کر دے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا قانون اور قرآن کا اعلان ہے کہ ”اللہ تعالیٰ ظالمون کو دوست نہیں رکھتا“ ظالم کبھی فلاح یاب نہیں ہوتے۔ ظلم کیا ہے؟ اللہ کی اور بندوں کی حق تلفی۔ جو لوگ بندوں کے حقوق تلف کرتے اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کو کسی طرح نقصان پہنچاتے ہیں وہ بڑے ظالم اور غنائے قدوس کی رحمت و بخشش سے دور ہیں۔

سچے مومنوں اور متقیوں کی پہچان

قرآن حکیم نے یہ نہیں کہا کہ سچے مومن اور متقی وہ ہیں

نہیں۔ کہ وہ شراب و سود وغیرہ حرام چیزوں کا کاروبار شروع کرے کسی مسلمان مرد اور عورت کو اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ مستقل طور پر کسی حرام طریقہ سے روزی کمانے کو اپنا پیشہ بنائے۔ الغرض مسلمان کسلائے طالع مسلمان رہنے والے اور مسلمان مرنیوالے شخص کو اپنے نفس، اپنی برادری، اپنے رواج اور اپنے مذہبی و سیاسی رہنماؤں کے خلاف اہم قدم پر احکام الہی کی پابندی کو نا لازمی امر ہے۔

گناہ اور مسلمان | اسلام میں ایسے مسلمان کی قطعاً گنجائش نہیں جو فسق و

فجور میں عمویں بسر کریں، توبہ کے بھروسہ پر گناہ کریں، خدا کی رحمت و بخشش کے جیلے بنانے تلاش کریں، گناہوں پر فخر کریں، گناہوں کا کاروبار کریں، گناہوں کے سہارے جیشیں اور اسی حالت میں مرجائیں۔ توبہ کے حقیقی مفہوم یہی ہے مسلمان نا آشنا ہیں۔ توبہ گناہ کا علاج ہے۔ نہ کہ گناہ کا ذریعہ۔ خدا تعالیٰ کی رحمت و مغفرت بیشک بہت بڑی ہے۔ اس کا امید رہنا تقاضائے ایمان و تقویٰ ہے۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا کفر ہے۔ وہ ذرہ نواز ہے۔ اسکی رحمت اس کے غضب سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ اگر وہ اپنے گنہگار بندوں پر رحمت و مغفرت نہ کرے تو ان کی نجات ناممکن ہے۔ مگر ان سب باتوں کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان خدا کی رحمت و مغفرت پر مغرور اور گناہوں پر دلیر ہو جائیں۔ اگر کوئی مبینہ و مصلح دوستی اخلاق و اعمال کی طرف توجہ دلائے اور ایمان والی زندگی اختیار کرنے کی تاکید و ہدایت کرے تو یہ کہہ کر اس کا منہ بند کر دیا جائے۔ میاں اپنے زہد و عبادت اور تقویٰ پر تازہ نہ کرو۔ وہ نکتہ نواز ہے۔ بڑے بڑے زاہدوں کو جہنم میں بھونک دے اور فراق و فجار کو بخش دے۔ وہ جو چاہے سو کرے۔ ہمارا بھی خدا ہے۔ وہ ہمیں ضرور بخش دیگا۔ یہ سب ڈھکوسلہ بازی

ہیں۔ اور اگر وہ کوئی برا کام کر ہی بیٹھیں تو فی الفور توبہ و استغفار کرتے اور اپنے دامن اعمال کو ندامت کے آنسوؤں سے دھو لیتے ہیں۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا
فَاحْشَةً أَوْ ظَلَمُوا
أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ
فَاسْتَغْفَرُوا لِلنَّوْبِ
وَمَنْ يَغْفِرِ اللَّهُ لَنْ يَكُنْ
إِلَّا اللَّهُ۔

اور جب وہ کوئی برا کام کر
بیٹھیں یا اپنی جانوں پر ظلم
کریں تو اللہ کو یاد کریں۔ پھر
اپنے گناہوں کی معافی مانگیں
اور اللہ کے سوا کون ہے جو
گناہوں کو معاف کرے۔

فاحشہ اور نفس پر ظلم سے کیا مراد ہے ؟

اس آیت میں دو باتیں فرمائی گئی ہیں ”جب وہ کوئی برا کام کریں یا نفس پر ظلم کریں“ فاحشہ نہایت بداور بُرے کام کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ گناہ جس کی شناخت و قباحت ظاہر ہو۔ یوں سمجھئے کہ فاحشہ کبیرہ گناہ کو کہتے ہیں۔ بعض علماء نے اس کی تعریف یوں بھی کی ہے کہ جس گناہ کا اثر دوسرے تک پہنچے وہ فاحشہ ہے۔ اور جس کا اثر دوسرے تک نہ پہنچے تو وہ اپنے نفس پر ظلم کرنا ہے۔

گناہ کے وقت اللہ کو یاد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کے روحانی و اخلاقی نقصانات کو علم و تصور میں لائے۔ اس کی ممانعت اور اس کے عذاب کو یاد کرے۔

اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال پر دھیان دے۔ مطلب یہ ہے کہ سچا مومن وہ ہے کہ جب اس کے دل میں شیطان کسی گناہ کا خیال ڈالے تو وہ خدا تعالیٰ کی ممانعت اور عذاب کو یاد کر کے جلدی توبہ و استغفار کرے۔ تاکہ وہ خیال اس کے دل سے جاتا رہے۔ خدا کی عظمت و جلال اور عذاب کو تصور میں لاکر گناہ سے اجتناب کو ناعام مومنوں کا شیوہ اور تقویٰ

جس سے کبھی گناہ کا صدور بھی نہ ہو۔ یہ صفت تو فرشتوں کی ہے۔ ان میں خدا کی نافرمانی و بغاوت کا مادہ ہی نہیں۔ وہ اگر گناہ کرنا چاہیں بھی تو نہیں کر سکتے۔ ان کے برخلاف انسان کی فطرت میں معصیت و اطاعت اور فحشہ و تقویٰ دونوں قسم کے مادے اور طاقتیں رکھی گئی ہیں۔ وہ معصیت بھی کر سکتے ہیں اور اطاعت بھی۔ وہ اگر طاعت و عبادت پر آمادہ ہیں تو ملائکہ مقررین پر بھی سبقت لیجا لیں۔ اور اگر فسق و فجور پر کمر بستہ ہوں تو شیطان کو بھی مات کر دیں۔ بناءً علیہ انسانوں سے گناہوں کا صدور بھی ہوتا ہے۔ نفس و شیطان دو ایمان کے ڈاکو اس کے پیچھے لگے ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلام کی صراط مستقیم سے ڈمکنا جانا بھی ممکن ہے۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ مسلمان کبیرہ گناہوں میں ہی ساری عمر بسر کر دیں۔ گناہوں پر کمر باندھیں تو گناہ ہی کرتے چلے جاتیں۔ گناہوں میں ترقی کریں، گناہوں میں زندگی کے مزے لوٹیں گناہوں کا کاروبار کریں اور گناہوں کو اپنا اور دھنا سمجھنا بنالین قرآن حکیم نے مومنوں اور متقیوں کا اصول اور ان کی پہچان یہ بتلائی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا
مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ
الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا
هُمْ مُبْصِرُونَ

تحقیق جو لوگ پرہیزگاری کرتے
ہیں جب انکو شیطان سے کوئی
وسوسہ لگتا ہے تو ناگاہ وہ
دیکھنے لگتے ہیں (یعنی ہوشیار

ہو جاتے ہیں۔ حرام و حلال، جائز و ناجائز اور حق و باطل کا اور پاک کرنے لگتے ہیں)۔

اول تو وہ وسوسہ شیطانی آتے ہی سچے مومن چونک پڑتے اور ہوشیار و میدار ہو جاتے ہیں اور لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ کہہ کر اپنے دل و دماغ کو برے خیالات سے پاک کر لیتے اور شیطانی وساوس سے مومن و معصوم ہو جاتے

کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور محض رضائے الہی کے حصول اور احساس عہدیت کے ماتحت گناہ سے اجتناب کرنا خواص متقین کی شان ہے۔ یہ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ ہے۔

ان دونوں قسم کے متقیوں سے اگر سہو و نییان سے گناہ ہو جاتا ہے تو گناہ کے بعد وہ نادم و شرمسار ہوتے، پچھتاتے اور افسوس کرتے ہیں۔ فوراً توبہ کرتے خدا کی طرف رجوع کرتے اور اپنے دل کو پاک و صاف کھیلتے ہیں۔ حاصل یہ کہ مومن جان بوجھ کر گناہ پر اصرار نہیں کرتے۔ عام مومن تو اس لئے اصرار نہیں کرتے کہ وہ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے گناہ سے منع کیا ہے۔ اور گنہگاروں کو عذاب ہوگا۔ اور خاص مومن یہ سمجھتے ہیں کہ گناہ کرنا نظام فطرت سلیمہ کے خلاف اور قانون شریعت کو توڑتا ہے۔ اس کی وجہ سے انسان خدا کے قرب سے محروم ہو جاتا اور اس کی روحانیت میں کمزوری آجاتی ہے اس فرق کو یوں بھی سمجھئے کہ ایک شخص تو وہ ہے جو قافلہ کو اس لئے مانتا ہے کہ اس کو سزا کا خوف ہے۔ اور دوسرا اس لئے مانتا ہے کہ اس کے دل میں قانون کی عزت و احترام ہے۔

عہد حاضر کے مسلمان اور اسلام

ایک طرف تو اسلام میں وسعت کا ایک درجہ ہے اور یہ وسعت اتنی ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے مسلمان گھر پیدا ہو جانا، اسلام کا اقرار کرنا اور محض کلمہ گو مسلمان بن جانا کافی ہے۔ اسلامی شریعت ایسے مسلمان کے اسلام کو بھی تسلیم کر لیتی ہے۔ اور یہ اس کا کمال ہے کہ وہ اسلام کے دائرہ میں آنے کے بعد حتیٰ الوسع اس سے کسی کو نکلنے نہیں دیتا۔ اگر کسی کے کلام میں ^{۱۹}تائید و جہ کفر موجود

ہوں اور ایک وجہ اسلام کی تو اس کو مسلمان ہی کہا جائیگا۔ کسی فرقہ بند مولوی کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے فرقہ کے مخصوص عقائد کی بنیاد پر کسی مسلمان کو اسلام سے خارج کر دے۔ اور اس کو ہنسی ٹھیرائے۔ ایسے کفر مولویوں کے کسی فتویٰ کا کوئی اعتبار نہیں۔

گرمیاد ہے کہ مذکورہ بالا اسلام حقیقی اسلام نہیں بلکہ رسمی ہے۔ یہ رسمی اسلام ہی مسلمانوں کی تمام ذلتوں اور پستیوں کی بڑ ہے۔ قرآن کے نزدیک اسلام کا ہونا نہ ہونا حقیقت میں نہ یہ کفر ہے نہ اسلام۔ یہ رسمی اسلام نہ دنیا کے کام کا ہے اور نہ آخرت کے کام کا۔ قرآن تو مسلمانوں سے حقیقی اسلام کا مطالبہ کرتا ہے۔ اور حقیقی اسلام یہ ہے کہ مسلمان میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی حقیقت پائی جائے۔ اور بدرجہ آفر وہ اسلام کے علم و عمل کا مالک ہو۔ اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا اعتقاد اقرار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بندگی کا عزم و ارادہ دل میں پیدا ہو۔ معبود حقیقی کی رضا مندی و خوشنودی کی لگن ہو۔ ہر وقت آخرت کا کھٹکا لگا ہے۔ اور حتیٰ الامکان اسلامی اصول و احکام کی پابندی کی جائے۔ اگر کسی غفلت و نادانی یا تعاففا بشری سے کوئی چھوٹا بڑا گناہ ہو جائے تو اس پر ججے نہیں بلکہ فوراً توبہ و استغفار کر کے اپنے دل کو گناہ کے اثر سے پاک کر لے۔

اگر عہد حاضر کے مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ رسمی اسلام پر قناعت رکھتے بیٹھے ہیں۔ حقیقی اسلام کے نزدیک بھی نہیں آتے۔ اگر صرف اتنا ہی ہوتا کہ وہ رسمی اسلام پر قناعت کر لیتے تب بھی غنیمت تھا مگر قیامت تو یہ ہے کہ انہوں نے کفر و شرک کے اجزاء کو بھی اپنے اندر جذب کر رکھا ہے۔ اسلام کی کسی ذمہ داری قبول کرنے کے لئے

تیار نہیں۔ محل کو کسی درجہ میں بھی ضروری اور لازمی نہیں سمجھتے۔
دن و رات گناہ کرتے اور اپنی رگوں کو سیواہ کرتے ہیں۔ حرام طریقہ
سے کماتے اور زندگی کے مزے لوٹتے ہیں۔ خدا کی نافرمانیاں
کرتے، ان پر فخر کرتے اور اکرانے ہیں۔ حرام کاموں کو حلال سمجھتے
اور حلال کو حرام بناتے ہیں۔ حدود اللہ کو توڑتے، عقلِ ملیم کا
منہ چڑھتے اور اخلاقِ حسنہ کا ستیاناس کرتے ہیں۔ اور دوسری
قوموں کی طرح آفتِ فراموشی اور لذتِ اندوزی مسلمانوں کا بھی
منتہائے مقصود بن گیا ہے۔

عوام کا حال | قوم دو طبقوں میں بٹ چکی ہے۔ عوام اور
خواص، عوام سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں
جو علم و عقل، تہذیب و ترقی اور دولت و راحت سے محروم ہوتے
ہیں۔ انہیں نہ دین کا علم ہوتا ہے اور نہ دنیا کی خبر۔ وہ صرف
حیوانوں کی طرح جینا ادا اپنی خواہشات کو پورا کرنا جانتے ہیں۔ نہ وہ
دنیا کے حالات سے واقف ہوتے ہیں اور نہ اپنے مفاد و سود
و بہبود کا علم رکھتے ہیں۔ ایسے مسلمان عوام شہروں میں بھی کثیر
ہیں اور دیہات میں بھی بڑی دل کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ
بیچارے دین کے تقاضوں اور مطالبات کا واقف اور حقیقی اسلام
سے بالکل نا آشنا ہیں۔ جمالت، حماقت، افلاس، رسم و رواج
کی پابندی، اسراف و تبذیر، مقدمہ بازی اور علمِ لوس و پیران
ریا کاری ان کی اندھی تقلید و پیروی ان کا شعار اور طرزِ امتیاز ہے۔

علامہ لکھنؤ میں گن گن

کی استعداد کثرت ہے کہ خدا کی پناہ۔ ان کی زندگیوں میں ایمان و تقویٰ

زندگی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ پھر تمام عمر انہیں کمی تو یہ واستغفار کی توفیق بھی نصیب نہیں ہوتی۔ اور مرتے وقت تک حقیقی اسلام کی ہوا تک نہیں لگتی۔

ہمارے خواص یعنی علماء و زعماء عوام کی حالت

اوپر ذکر ہوا ہے ہمارے خواص یعنی علماء و زعماء اور ارباب علم و دانش۔ ان خواص کی دو قسمیں ہیں۔ قدامت پسند اور مغرب زدہ یعنی ہمارا سوچنے سمجھنے اور قیادت و رہنمائی کرنا والا طبقہ..... یہ دونوں حقیقت اسلام سے نا آشنا اور قیادت و رہنمائی کی صلاحیتوں سے محروم ہیں.....

..... سیاسی رہنماؤں کا یہ حال ہے کہ وہ مغربی تہذیب مسحور اور اقوام یورپ سے محروم ہو کر مسلمانوں کو مادہ کا غلام بنانے پر کمر باندھ رکھے ہیں۔ وہ امام مغرب کی امامت و سیادت پر صدق دل سے ایمان لائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے وحی الہی کی ہدایت و روشنی کی بجائے مشابہت مغربی مفکرین و مدیرین کے افکار و آراء کو اپنے لئے پورا رخ راہ بنا رکھا ہے۔ اور پوری قوم کو آغوش مغرب میں ڈالنے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

ان آقا یانِ دینی نعمت کی وجہ سے مسلمان دین و اخلاق پر اتنا دبیز رہتے چلے جاتے ہیں۔ یہ خود اپنا پرستی، بیعتیابی سے پردگی، منفی آوارگی اور انفرادی آزادی کا شکار ہیں۔ قوم کو بھی ایسی شکار بنا دینا چاہتے ہیں۔ لہذا ان ملت جن کے اعمال پر قوم کی

موت و زندگی اور عروج و زوال کا انحصار ہے۔ ان کے دل بے اختیار انہی چیزوں کی طرف کھینچ رہے ہیں۔ وہ دن بدن لمحہ بہ لمحہ تہذیب کے اصولوں کو قبول کرنے میں سبقت کر رہے ہیں۔ ماحول دن بدن شہوت پرستانہ بن رہا ہے۔ فتنہ شہوات کا ایک سیلاب ہے جو بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اور تہذیب و شرافت اور شرم و حیا کو ہلٹے لٹے چلا جا رہا ہے۔ جو اچھائی یا برائی مغرب سے سراٹھاتی ہے اسکے قبول و فروغ کیلئے ہمارے قائد، اہل قلم، شعراء، صحیفہ نگار، تابراں و سربراہ دار میدان تیار کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ قرآن کی آیات یورپ کی ہر گز کسی کو قومی خدمت ثابت کرنے کیلئے بڑے بڑے ادیب اور بڑے شے مقرر و مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ فحش ڈراموں، فحش گیتوں اور عریاں افسانوں کو آرٹ سمجھا جاتا اور ترقی کے اصول خیال کیا جاتا ہے۔ اہل قلم جذبات انگیز افسانے اور ڈرامے لکھ کر اپنے آپ کو قومی خدام سمجھتے ہیں۔ عیاشیوں اور بدکاروں کی قصیدہ خوانی کر کے انکو آسمان ترقی پر بڑھایا جاتا، انکی قیادت و رہنمائی کے گیت گائے جاتے، انکی خوشامد و چال پوسی اور مدح سرائی میں مقالے لکھے جاتے اور خاص نمبر نکالے جاتے ہیں۔

مسلمان ہونی کا دعویٰ اور اسلام کے گورچھری

غضب خدا کا ہماری سیاسی کشتی کے ناخدا اور تہذیب و ترقی کے دلدادہ مسلمان اسلام کا نام لیتے ہوئے شرتے ہیں سلامی حکومت کے نام سے پڑتے اور اس میں کیرے ڈالتے ہیں۔ زنا اور سود تک کو جائز کیا جاتا ہے۔ اسلام کا نام لیکر یورپین جمہوریت کی دعوت دی جاتی ہے۔ معاشرت کا فرنگی مضابطہ ہم میں نافذ کرنیکی کوشش کی جاتی۔ علوم و فنون کی بنیادیں الحاد و دہریت، نفس پرستی اور اپنا پرستی پر رکھی جاتی ہیں۔ لینن اور کارل مارکس کی تعلیمات کو اسلامی تعلیمات پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور انکے لحاظ نہ عقائد کو نوجوانوں کے دماغوں میں ٹھونسنا جاتا ہے۔ دین و اخلاق

اعمال سے اعتصام کیا جاتا ہے۔ اعمال ثبوت کی جگہ ائمہ کفر و ضلالت کی تقلید و پیروی کی جاتی ہے۔ ایک ملت اسلامیہ کے اندر سینکڑوں ہزاروں ملتیں ہیں۔ ہر ملت کا کلمہ جامعہ الگ ہے۔ مذہب ہو یا سیاست، معیشت ہو یا معاشرت اور علم و ادب ہو یا سائنس ہر شعبہ حیات میں افراط و تفریط، انتشار و اختلال اور بد نظمی و ابتری ہے۔ ہر شعبہ میں ہر شخص کے نظریات اور اغراض و مقاصد مختلف ہیں۔ ترقی و ترفیع کے الگ الگ میدان ہیں۔ جدا جدا معیار ہیں۔ ہماری قومیت کو یہ اختلاف اور انفرادیت الٰہی اندر کھائے چلی جا رہی ہے۔ ہر شعبہ پر یہ کہ ہر شخص خادم ملت، قائد اور محسن اسلام ہے۔ خواہ وہ کیسا ہی نااہل، مکار، خود غرض اور صوّت و سیرت کے اعتبار سے دو کوڑی کا ہو۔

مذہبی رہنما ہوں یا سیاسی لیڈر۔ وہ عملی زندگی میں غیر اسلامی اصول حیات کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ انداز فکر غیر اسلامی ہے۔ آرزوئیں اور مقاصد غیر اسلامی ہیں۔ مغربی افکار کی یورش نے اسلامی تصورات کی بیخ کنی پر کربا بندھ رکھی ہے۔ صورت غیر اسلامی، معاشرت غیر اسلامی، معیشت غیر اسلامی، سیاست غیر اسلامی، طرز حکومت غیر اسلامی اور معیار قد و قیمت غیر اسلامی۔ اسکے بعد دعویٰ یہ کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کی برتری چاہتے ہیں۔

یہ دیکھ کر اور سرکھ عقل حیران رہ جاتی ہے، علم و تائید اور عمل باہم کرنا ہے کہ آخر اسلام ہے کیا چیز؟ اور مسلمان کسے کہتے ہیں؟ ہم مسلمانوں نے اسلام کو اسکے معانی اور حقیقت سے محروم اور لفظ مسلمان کو اتنا ذلیل و ناکارہ بنا دکھا ہے کہ کو تاہ نظر اور حقیقت اسلام سے بیخبر رہے لکھے مسلمان یہ سمجھنے اور کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ مذہب و اخلاق کا زمانہ ختم ہو چکا۔ اب تو الٰہی داد و داد پرستی

ہی دین و ایمان ہے۔ نعوذ باللہ۔ اسلام ناکارہ اور بے اثر ہو چکا ہے۔ اسکے اصول و احکام ناقابل فہم اور ناقابل عمل ہو چکے ہیں۔ نعوذ باللہ

کی تمام پابندیوں کو توڑا جاتا ہے۔ ملازم سے نفرت کے پردہ میں اہل اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اور فسق و فجور اور بخی و طغیان کے ان تمام مظاہر کو قومی خدمت سے تعبیر کیا جاتا۔ اور بڑے فخر سے اعلان کیا جاتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں۔ اسلام کے گلے پر لہو نہ انکار و نظریات کی چھری پھیری جاتی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے۔ اور دنیا کے تمام پیچیدہ سیاسی و تمدنی مسائل کا حل صرف اسلام ہے۔ دلوں میں اسلام کی دشمنی اور زبانون پر اسکی دوکستی کا دم بھرا جاتا ہے۔

سیاسی ترفیع، ملکی استحکام اور قومی ترقی کے لئے تجویزیں سوچی جاتیں، پروگرام بنائے جاتے، تحریکوں کا آغاز کیا جاتا، اعلیٰ اور جماعتیں بنائی جاتی ہیں۔ مگر حال بشیہ کہ تمام اداروں، جماعتوں اور تحریکوں کی بنیادیں علیحدہ علیحدہ نظریوں پر قائم ہوتی ہیں۔ مقاصد جدا جدا ہوتے ہیں۔ طریق کار الگ الگ، راستے مختلف۔ نہ قدر و قیمت کا معیار ایک، نہ طرز فکر ایک اور نہ اسلام کا تصور ایک۔

ایک ملت اسلامیہ میں سینکڑوں ملتیں

اسلام نے مسلمانوں کی مرکزیت کو بڑی سختی اور تائید کیساتھ قائم کیا تھا۔ جماعت پیدا کرنے اور اسکو زندہ رکھنے پر حد سے زیادہ زور دیا تھا۔ اور مسلمانوں کو انوث اسلامیہ کے رشتہ میں جیکو کہ امت واحدہ بنایا تھا۔ اور اس کا دار و مدار اعتصام بحبل اللہ پر رکھا تھا۔ یعنی اسے مسلمانو! اللہ و رسول اور امیر کی اطاعت کرو پہلے تمام اعمال و افکار کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر رکھو، زندگی کے تمام معاملات و مسائل میں وحی الٰہی سے روشنی حاصل کرو اور ایک جسم کی مانند بن کر رہو۔

مگر یہاں یہ حال ہے کہ اسلامی امارت، مرکزیت سے مسلمان صدیوں سے محروم ہیں۔ انوث و جمعیت کا ان میں نام و نشان تک نہیں۔ اعتصام بحبل اللہ کی جگہ کفار و مشرکین کے افکار و

مسلمانوں کی ذات و توحیدی اور ادب و مسکنیت کا سبب اسلام ہے۔ اس لئے زمانہ کو منہج ہدایت بناؤ، امام مغرب کی تقلید و پیروی کو وسیلہ نجات و کامرانی سمجھو، اپنے آپ کو تہذیب مغرب کے سپرد کر دو اور ابن الوقتی موقعہ طلبی مصلحت اندیشی، نفاق و ریاکاری اور خود غرضی و لذت اندوزی کے ہر سانچے میں ڈھلے چلے جاؤ۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ دین و اخلاق کی قدردانی قیمت سمجھنے والے، علم و بصیرت کے مالک، خلوص و ایثار کے پیکر اور حساس درد مند علماء و مشائخ اپنے فروغی اختلافات کو نظر انداز کر کے دین حق کی حفاظت و بقا اور تبلیغ و اشاعت کیلئے ایک ہو جائیں۔ اپنے اجتماعی فریضہ نبی کو سمجھیں۔ اپنے تمام افکار و اعمال میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو اپنی توجہات کا مرکز بنائیں۔ مقام احکام و ہدایا انہی دو چیزوں سے حاصل کریں۔ اور امکان پر مسلمانوں کو اسلام کی طرف لاؤ اور اسلامی نظام کو قائم کرنے پر کمر بستہ بنادیں۔ اگر اس نازک و پر آشوب وقت میں بھی علماء و مشائخ نے اپنے اختلافات ختم نہ کئے، ذاتی اغراض و مفاد پر لغت نہ سمجھی، اور اسلئے کلمۃ اللہ و جہاد فی سبیل اللہ کا

و مقامہ کیلئے بڑھ چڑھ کر جہانی اور مالی قربانیاں دیتے ہیں۔ قابلیت، ہوشمندی اور حسن تدبیر کا ثبوت دیتے ہیں۔ مگر اہل حق یہاں بھی ہیں منتشر و متفرق، کمزور و ناتواں، غلام و محکوم، روز و مال، اثر و اقتدار سے محروم۔ اپنے بلند و پاکیزہ نظریات و مقامہ کیلئے نہ جانی قربانی کا ثبوت دیتے ہیں اور نہ مالی کا۔ بس بے وقوفی، عقول، تنقیدوں اور نصیحتوں پر اکتفا کرتے بیٹھے ہیں۔ وہ بھی اپنے اپنے حلقوں اور دائروں میں۔ اور اپنی اپنی مستند اقتدار اور کلاوہ افتخار کے تحفظ و بقا کیلئے۔

کیا آج کوئی ایسی آنکھ نہیں رہی جو قرآن و حدیث کے مغز تک پہنچے ہو؟ کیا دین کی روح اور اس کے مقامہ و مطالبات کو سمجھنے والا اور اللہ کی راہ میں مرٹے والا کوئی نہیں رہا؟
اللہ بس باقی ہو س

تشکر

الحاج خواجہ میا محمد شریف صاحب پاکستان میڈیسن سٹورگروہ دارالعلوم عزیزیہ کے معاون اور سرپرست ہیں۔ آپ سالہا سال عیال حج تشریف لے گئے تھے۔ تو انکو بذریعہ اللہ دی گئی کہنیا نے دارالعلوم عزیزیہ کیلئے میزان الاعتدال فی فن اسلام اعلیٰ کی سخت ضرورت آپ آتی مرتبہ ہوا لائیں۔ اور قیمت انشاء اللہ العزیزہ اللہ تعالیٰ ادا کر دی جاسیگی۔ اگرچہ کتاب کی نایاب ہونے پر حصول کتاب میں کافی محنت کرنی پڑی۔ مگر آپ اسے یسر کر آئے۔ اور دارالعلوم عزیزیہ کے کتب خانہ کے لئے وقف فرمادی۔ اور قیمت کی بجائے صرف دعا کے طالب ہوئے۔

اراکین دارالعلوم عزیزیہ الحاج خواجہ محمد شریف کے فریضہ حج کی ادائیگی پر ہدیہ تبرک پیش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی شکر ادا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ کریم ان کو دینی خدمت کی بیش از بیش توفیق مرحمت فرمادے۔ آمین۔

اسراکین دارالعلوم عزیزیہ بخیر

سرخ نشان

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا رسالہ بذریعہ ڈی۔ پی۔ ارسال ہوگا۔ جس کے دائرہ اخراجات سے بچنے کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منفاور نہ ہو تو اطلاع دیں۔ خدا را دی۔ پی۔ واپس فرما کر ایک اسلامی احکام کو ناحق نقصان نہ پہنچائیں۔ خطا و کوتاہی کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
(غلام حسین منیجر)

عشق و ولولہ بیکر میدان گل میں شگے تو وہ یار کہیں کہ اسلام تو بہر حال اپنی جگہ زندہ و تابندہ ہے اور قیامت تک رہیگا۔ مگر وہ اس طرح مٹیں گے کہ مونیوالی کوئی آنکھ بھی نہ ہوگی۔

کتنی دردناک اور جگر خراش حقیقت ہے، کہ اہل باطل تو ہر جگہ منظم و متحد، طاقتور اور برسر عروج۔ مانتدار ہیں۔ اپنے باطل نظریات

ہمارا امروزہ تذبذب اور راہِ حق

(محترم الطاف حسین شاہ صاحب قلمی، بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی)

کارکنوں نے دولت پاکستان خوشہ چینی میں اسفند بے اعتباریاں کیں کہ گلی کو پول کے پتھر بھی اتان کیسے بڑا ہو گئے۔ اہل ہندو کے چلے جانے کے بعد جس کو تہذیبی سے مال غنیمت لوٹا گیا۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ لیکن کارکنوں کی پست کرداری کے سبب لوگ جماعت بھی متنفر ہو گئے۔ اور ایسا ہونا ایک طبعی امر تھا۔

اربابِ حلِ عقد جو اکثر مسلم لیگ کی پیداوار تھے۔ انہوں نے قومی انتشار کو بھانپ لیا۔ اور پھر سے لیگ کے ایماء کی ٹھانی۔ چنانچہ کئی پاکستانی مسلم لیگ بنائی گئی۔ جس کی صدارت کیلئے چودھری خلیق الزمان صاحب کو منتخب کیا گیا تھا۔ چودھری موصوف میدان سیاست کے پرانے شہسوار تھے۔ اور یہ انکی خوش قسمتی تھی کہ جہاں عوام کو ان پر اعتماد نہ تھا وہاں خواص نے ان کا اعتماد کا بہترین ثبوت دیا۔ اور ایک انی سیاسی جماعت پر ایک پلے سیاستدان کو مدد مقرر کر دیا۔ ملک کے اخبارات مدد موصوف کی سیاسی حیثیت کا حقہ واقف تھے۔ اور ان کا خلوص بھی ایک پوشیدہ معاملہ نہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ پہلے چودھری صاحب بھارت کے بھندے کو جھک کر سلام کیا۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کی خدمت پر کمر بستہ ہو گئے۔ جب امیدوں کی کلیاں پڑھ رہے ہوتی نظر آئیں تو آپ بڑی ریمہ طیارہ کا رچی پونج گئے۔ غیر پوچھ بپا وہ ایک مشہور داستان ہے۔ لیگ کے مدد بننے سے پہلے ہم نے ایک مقالہ میں پاکستان کی حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ چودھری کو نفاذ ضروری ہو تو انہیں کہیں غیر ناکر بھیج دیا جائے۔ تاکہ مسلم لیگ انتشار و افتراق کا مرکز بننے سے بچ جائے۔ مگر نتیجہ معلوم۔

اسکے بعد مسلم لیگ کی دوبارہ تنظیم شروع ہوئی۔ رکنیت کی تلاش

پاکستان کے دائرہ وجود میں آنے کے بعد میدان سیاست پر مستقل تعطل طاری ہوا۔ حتیٰ کہ جماعت اسلامی نے دھیمے دھیمے خاموش وادیوں کو گراما شروع کیا۔ اسلامی آئین کے وعدوں ملت اسلامیہ کو سلک اتحاد میں پرویا تھا۔ اور اتحاد کے خوشگوار اثرات سے لطف اندوز ہونے کے بعد لازم تھا کہ وہ وعدہ شرمندہ ایفا ہوتے حکومت کی مسست خواہی نے جماعت اسلامی کو تیز فرام ہونے پر مجبور کر دیا۔ اربابِ حلِ عقد عوام کو برابر یقین دلاتے رہے کہ جو آئین ملک کیلئے وضع ہو رہا ہے وہ خالص اسلامی آئین ہے۔ اور اسکے سوا کوئی دوسرا آئین نافذ نہیں ہو سکتا۔ وزیر اعظم پاکستان ملک کے ہر گوشے میں یہ خوش آئند پیغام سناتے پھرے۔ کہ اسلامی اصول حیات کے آزلنے میں پاکستان پس کرے گا۔ اور دوسرے اسلامی ممالک کیلئے مینارِ رہبری بنے گا۔ ملت اسلامیہ نے اس آواز کو خلوص و وفا بخاری کا آئینہ دار تصور کیا۔ اور اپنے محبوب وزیر اعظم کی خدمات کو تپاک سے سراہنے لگے۔ پاکستان میں اس وقت سولے مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے اور کوئی ایسی موقر جماعت موجود نہیں تھی۔ جو اربابِ حلِ عقد کی حکمت عملیوں کی کوئی مختلف تفسیر کرتی۔ اور عوام کی حب الوطنی اور اسلام پرستی سے غافل تھا کہ کوئی ملک راستہ تراشی جماعت اسلامی پاکستان بننے سے پہلے لیگ مقاصد سے عظیم اختلاف رکھتی تھی۔ اور عام انتخابات کے وقت غیر جانبداری کی علمبردار رہی۔ صرف الگ تہذیب و تمدن کے تصور تک مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے اصول موافق تھے۔ اگرچہ انکو بروئے کار لانے میں دونوں بعد الشرفین کے مصداق تھیں۔ بنا بریں جماعت اسلامی کی خدمات عوام کو زیادہ آمل نہ کر سکتیں۔ اور مسلم لیگ کے

معتین کرنے اور تقسیم فارم رکنیت پر گروہ سازمی شروع ہو گئی۔ حتیٰ کہ پیر بانکی شریف کے بیچ و پکار کے باوجود وہی کچھ ہوا جو محترم عبدالقیوم صاحب کو منظور تھا۔ پیر صاحب کی ساری ملی خدمات کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ اور وہ مجبور ہو گئے کہ مسلم لیگ سے باہر کوئی اور ماہ خدمت تلاش کریں۔

صوبہ پنجاب میں جو کچھ ہوا۔ وہ ایک افسانہ بن چکا ہے۔ مسلم لیگی کارکنوں کی باہمی آویزش سے کئی پیر پھر ہوئے کبھی ایک گروہ غالب آیا اور کبھی دوسرا۔ آخر صوبہ کی مقننہ کو ٹوٹ دیا گیا۔ اور گورنر جنرل پاکستان نے تاریخی الفاظ میں لیگی کارکنوں کی اقربا پروریوں، خویش نوازیوں اور غیبتوں کی مذمت کی۔ دفعہ ۹۲ الف کا نفاذ کیا گیا۔ اور محض ہر کچھ عرصہ کیلئے پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ اس سکون کے بعد طوفان کی آواز مئی تھی۔ پیر شیروں کا معاملہ کھڑا کیا گیا۔ اصل مقصود یہ تھا کہ مسلم لیگ کی تنظیم تقویت پذیر ہو۔ چنانچہ مشیر مقرر ہوئے۔ انگریز گورنر کی بجائے پاکستانی گورنر مسند نشین ہوئے۔ یہ سب کچھ ہوا۔ مگر پھر باہمی کشمکش زندہ ہو گئی۔ مسلم لیگ کی صدارت کو پھر مسئلہ عروج و زوال بنایا گیا۔ اور چوتھے صدر جناب عبدالحمید صاحب بنے۔ اس صدارت کا مخالف گروہ شکست فاش کا ہدمہ دیکھ چکا تھا۔ اب مسلم لیگ میں انکی کوئی جگہ نہ تھی۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تسبیح مسلم لیگ سے وہ سارے منکے گرے شروع ہو گئے۔

اس پہلے بھی دو گروہ موجود تھے۔ جوار بار باطل عقد سو یکسر بیزار تھے۔ ایک گروہ تھا۔ اُن لوگوں کا جنہوں نے پاکستان کی مرکزی مقننہ کے اجلاس میں حکومت شدید تنکد چینی کی تھی۔ اور ہر پہلو سے مطالبہ کیا تھا کہ فلاح عامہ کیلئے کوئی مناسب لائحہ عمل بنایا جائے۔ اگرچہ وہ لائحہ عمل نکتہ چین حضرات کے اپنے مقصود کے مطابق تھا۔ ہر نوع جو کچھ تھا۔ وہ ارکان کا بیٹہ کو سخت ناگوار گزرا۔ اور مسلم لیگ کے ارکان نے بھی ایسے مطالبات کو جو سیاسی جماعت کے علی الرغم ہوں۔ قابل مذمت تصور کیا۔ اور ان حضرات کو مسلم لیگ سے نکال دیا گیا۔

دوسرا گروہ پیر بانکی شریف اور خلافت پاکستان گروپ تھا۔ بہنوں نے سہروردی کی قیادت میں عوامی مسلم لیگ کی دماغ میں ڈالی۔ اور اسکے منشور کا جابجا پورا پورا شروع کیا۔ سیاست پنجاب میں جو اصحاب باوجود مقابلوں کے مایوس ہو انہوں نے نواب ممدوٹ صاحب کو مجبور کیا۔ کہ وہ کوئی دوسری جماعت بنائیں۔ چنانچہ جناح مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس کے مفاسد کی اشاعت کا آغاز ہو چکا ہے۔

مرکزی مقننہ کا نکتہ چین گروہ باقی رہ گیا تھا۔ جس نے کسی دوسری جماعت سے اپنا سیاسی الحاق مناسب سمجھا۔ آخر کار طویل بچار کے بعد انہوں نے بھی اعلان کر دیا۔ کہ وہ آنا د پاکستان پارٹی کو فلاح عامہ کا ذریعہ بنائیں گے۔ اس گروہ کے روح و روان میں افتخار الدین صاحب ہم نہیں چاہتے کہ کسی شخصیت پر حرف گیری کر کے اسکی شہرت کو داغدار کریں۔ بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ جب تک بلند ترین اصول ذاتی اقتدار اور وقار کے جذبات پر غالب نہیں آتے۔ اسوقت تک پاکستان کا نصب العین تکمیل پذیر نہیں ہو سکتا۔ پاکستان کا نصب العین یہ تھا کہ اس سر زمین میں حیات اسلامی کا احیاء کیا جائے۔ قرآنی احکام اور شرعی آئین کو مسلط کرنے سے زندگی کو ساری آؤد گویوں پاک کر دیا جائے۔ جب تک ہمارے اصول نہیں بدلتے اور اسلامی سانچے میں نہیں ڈھالے جاتے اسوقت تک ہماری غلامی کی روائتیں نہ منٹ سکتی ہیں اور نہ ہی پاکستان کی عالمگیر قیادت کی فدا میں ہو سکتی ہیں۔ ابھی تک ہمارا تمدن مستعار ہے، ابھی تک ہمارے فزغیر ملکی روایت و تاریخ کو عبرت کی بجائے کب بعیرت سمجھتے ہیں۔ ابھی تک انکے ذہن اسلامی قائدین کی ظاہر زندگیوں سے ناواقف ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ انکے دماغ قرآنی مسائل کو زندگی پر منطبق کرنے کی بجائے بیرونی مسائل کو قرآن پر منطبق کرنے کی طرف راغب ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان دنیا کے بدلنے اسلام کا عملی نمونہ پیش کرے۔ اور دنیا کو راہ نجات دکھائے۔ دنیا کے مختلف طبقوں میں جو اختلافات رونما ہو رہی ہیں۔

رسمی نسلی مسلمانوں کو شیعوی اور حقیقی مسلمان کی بنیاد کیا جاسکتا ہے؟

(۱۵۱)

سے نظماً آزادی زندگی گھر گھر دنیا میں ظلم و فساد کی آگ لگا گئی۔ اور انسانوں کو تنہا ہی کے راستہ پر ہانک لیا جائیں۔ مگر چاہے رہنماؤں کا اسلام کی راہ چھوڑ کر دوسری مادہ پرست قوم کو تقلید کرنا۔ ہم مسلمانوں کی خصوصیت اور دنیا انسانیت کی انتہائی بدقسمتی و محرومی ہے۔

ہے ہمارے اہل حق جو اسلامی فکر و نظر کے مالک ہیں، مومنانہ فکر و حکمت، مسلمانہ کردار اور مجاہدانہ عزائم سے بہرہ ور نہیں، اعلیٰ و کمالات کا علم بلند کئے ہوئے ہیں، علوم و امتیاز کی دولت سے مالا مال ہیں، باغیانہ ماحول اور نامساعد حالات میں طوفانوں و طعناں جانتے ہیں اور جتنے دم سوا حیا و اسلام کی امیدیں وابستہ ہیں۔ وہ مادی و دیر اسی اعتبار سے کسی مہر سی کے عالم میں، عوام پرانکا کوئی اثر و اقتدار نہیں۔ وہ سب کچھ سمجھتے اور جانتے ہیں۔ مگر کچھ نہیں سکتے۔ بیدینی کے سیلاب میں مسلمانوں کو جتا ہوا کچھ ہے جس میں گم ہے جس اور مجبور ہیں۔ خدا پرستی اور دینداری کی روح پر نفس و شیطاں کے حملے ہو رہی ہیں جو انکو وطن کی طاقت محروم ہیں۔ مسلمانوں کے دینی مدارس مسلمانوں کی عدم توجہی کے باعث دم توڑ رہے ہیں۔ لیکن ملنے پاس اسکا کوئی مداوا نہیں۔ اب تو اہل حق اور دیندار طبقہ کی شکستہ حالی، بے بسی، مجبوری کس مہر سی اور گہرائی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ غیظہ ہو کر کہیں پوری کی پوری قوم ترقی کے نقش قدم پر نہ چل پڑے۔

مسلمانوں کے فساد و بگاڑ کی ابتدا کس نقطہ سے ہوئی؟

قرآن حکیم نے مسلمانوں کی اخروی سچائی اور دنیوی ترقی کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی تھی ایمان باللہ اور عباد فی سبیل اللہ اسکے بعد جنت و عتدیت، مرکزیت اور اعلیٰ امیر عرفا مکران کی زندگی میں ہیومت کے کے اجتماعی زندگی کا ایک ایسا مکمل نظام

تو قوم کیلئے غلامی بدترین لعنت اور آزادی سب سے بڑی نعمت ہے۔ یہ وہ عالمگیر لغو اور روشن حقیقت ہے، جس پر دنیا کی تمام قومیں ایمان لائی ہوئی ہیں۔ لیکن غلامی لعنت کیوں؟ اسکی حقیقت کیا ہے؟ اسکی مختلف مانوئیں کیا کیا صورتیں رہی ہیں؟ انسان انسانوں کو اپنا غلام کس کس طریقہ سے بناتے رہے ہیں؟ اور آج انسانوں انسانوں کو کس طرح غلام بنا رکھا ہے؟ مظلوم و مظلومانہ انسانوں کو غلام و جبار انسانوں سے سچا دلانے کی کیا صورتیں؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ مفکرین عالم مہر میں انسانیت، ارباب دانش اور سیاستین کو ابھی تک ان حقائق تک پہنچنے کی توفیق نہیں ملی۔ اس طرح یہ حقائق کہ مسیح حقیقی آزادی کیا ہے؟ یہ کس طرح محال ہوئی ہے؟ اس سے بہرہ ور ہوئی کی شرائط و قیود کیا ہیں؟ اور آج دنیا میں حقیقی آزادی کا کہیں وجود ہے؟ یا نہیں؟ انکی فکر و نظر سوا جھٹل ہے۔ عجیب کور و ذوق، کوتاہ نظری و بھڑکی اور سطحیت پسندی ہے۔ کہ غلامی پر لعنت بھیجی جا رہی ہے۔ اور آزادی کے گن گئے جا رہے ہیں۔ گرا انکی حقیقت کا علم کسی کو بھی نہیں۔ اس نارمائی، بھڑکی اور غلط اندیشی کا واحد سبب یہ ہے کہ سیاست میں عالم، ارباب دانش اور مدعیان علم و قیادت کو مادہ پرستی نے اندھا بنا رکھا ہے۔ انکی عقلیں مریض، انکے دل ناپاک، انکے عزائم ظالمانہ اور انکے افکار و اعمال فاسد ہیں اور انہوں نے ہدایت راہی اور وحی الہی سے منہ موڑ رکھا ہے۔

بدقسمتی سے جہاں علم و دانش اور مدعیان قیادت و رہنمائی بھی انہی میں داخل ہیں۔ مادہ پرست انکے کفر و ضلالت تو سب سے خدا کا مذہب اخلاق اور وحی کے قائل ہی نہیں۔ وہ مجبور ہیں کہ خدا کی جگہ قوم اور وطن کو دیکر اپنی خدائی قائم کریں۔ اور کزور قوموں کو اپنا شکار بنائیں۔ اپنی اندھی قتل

اور پورا نقشہ دیا تھا جو قیامت تک کیلئے قابل عمل، جیسا پرصو، ترقی پذیر عظمت آفرین اور دینی و دنیوی فلاح کا ضامن تھا۔ مثلاً صدیقی اور خلافت فاروقی تک مسلمانوں کی انفرادی اجتماعی زندگی انوار اصول اور بنیادوں پر قائم تھی لیکن جب مسلمانوں میں فتنہ شراذ فتنہ شتمنا اور فتنہ خود غرضی پیدا ہوا تو ایمان بالہذا و بہذا فی ہمیں اٹھ کا جذبہ ٹھنڈا کر گیا۔ انتشار عائد فرقیہ بندی، نفرت و نفقت اور باہمی جنگاں جہاں سور کزیت فنا ہو گئی۔ انہوں نے جدوجہد خلافت کی جگہ ملکیت کی بنیاد رکھی۔ یہاں مسلمانوں نے آہستہ آہستہ اسلام کے اجتماعی نظام کو توڑنا اور اخلاقی نظریے چھٹا شروع کر دیا۔ اور غیر اسلامی افکار و اعمال کو اپنی انفرادی اجتماعی زندگی پر مسلط کرنے کے لئے اپنے دل و دماغ کو اسلامی کی گرفت سے بالکل آزاد کر لیا۔

ذہبت بائیںجا رسید کہ ہم اسلام کی اجتماعی زندگی کے چند اصول و قوانین ہی نہیں توڑے بلکہ تمام اصول و قوانین کو ہلاکے ہلاکے کر ڈالا۔ اپنی زندگی کے چند خانے ہی نہیں بگاڑے بلکہ پورا کالپو نقشہ ہی بگاڑ دیا۔ اسلامی نظام کے فقدان سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی مختل ہوئی، مسلمانوں کو تو یہ خاص اسلامی اصول اور عمل ہی ترک نہیں کیا بلکہ اپنی پورے زندگی کا غیر اسلامی بنائی ہوئے افکار و عقائد جذبات و احساسات، اخلاق و عادات، تمدن و سبھا، معاشرہ و حیثیت، ماحول و اس اور رفتار و گفتار کسی چیز میں بھی اسلامی کی کوئی جھلک نہیں پائی جاتی بلکہ فکری حالات غیر اسلامی، انکی بھی رفتار غیر اسلامی ہے، انکا ناویہ فکر و نظر غیر اسلامی ہے، وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرتا ہے ہے تو غیر اسلامی طریقہ سے اور یہ دینی و اخلاقی تنزل کی انتہا ہے۔

اس دینی و اخلاقی تنزل کا صدیقوں روزنا روبا جارہا ہے۔ اور بہت ہی طرح مسلمانوں کی ناسلامانی کا شریہ پڑھا جا رہا ہے۔ مگر مسلمان ہیں کہ اسلام ہے۔ جو بے گناہ ہے جس میں سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام میں ہی وہ بدگشتی نہیں ہے جو بدعت و نفرت اور خلافت راشدہ میں تھی۔ یا مسلمان ہی تھے صدیق کی قبولیت کا وارث کھو چکے ہیں۔ پہلی بات تو کسی باخبر اور پختہ مسلمان کو ہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی۔ اسلام میں بدگشتی اور اصلاح کی جو قوت پہلے تھی وہی اب بھی جو اور قیامت تک کیلئے اسلام ایکہ انبیاء و پیغمبروں کے ذریعہ آئے تھے

حقیقت کا نام جو۔ لہذا دوسری بات ہی صحیح ہے یعنی مسلمان ہی قبولیت حق کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری کی پوری قوم یہ صلاحیت کھو چکی ہے۔ اس فتنوں سے بھر پور زمانہ میں بھی ایسے صلاحیت افراذ موجود ہیں جو حق و صداقت کے علمبردار و محافظ ہیں۔ حکم صرف اکثریت پر لگایا جا رہا ہے یعنی مسلمانوں کی اکثریت قبول حق کی صلاحیت کھو چکی ہے۔

مسلمان بن اخلاق کی طرف کیوں نہیں آتے ؟

اس لئے کہ پوری دنیا کی مادہ پرستی نے ہمارے مذہبی و سیاسی رہنماؤں کے ذہنوں کو قہقہہ کر رکھا ہے۔ وہ دنیا کی عام مادہ پرست اور خدا شناس قوموں کی طرح اپنی تمام فکری صلاحیتوں اور عقلی قوتوں کو صرف ظاہری سیاسی تدبیروں اور مادی کوششوں تک محدود کر رکھا ہے۔ انکی تمام جدوجہد ظاہری اسباب و تدابیر ہی تک محدود ہیں انکے سوا صرف مادی عناصر ہی انکے بقا و تباہی کا سوال ہے۔ انکا ذہن کبھی اس طرف متوجہ نہیں ہوتا کہ قوم کے عروج و زوال میں اخلاق کو بھی دخل ہے۔ سیاسی و مادی غلطیوں کی اصلاح و تلافی کی کوششوں کی اصلاح اصلاح افکار و اعمال کی کوششیں بھی ہونی چاہئیں۔ اصل مصیبت اور بیدار سیاست کا لایا ہوا عذاب تشبہ کہ ہمارا باب قیادت و اقتدار قرآن کو کھینچنے سے بھی ہاتھ نہیں لگاتے۔ قرآن پاک جن بد اعمالیوں اور بد کرداریوں کو مسلمانوں کی فطرت و طبیعت کا حقیقی اور بنیادی سبب بتلایا ہے۔ ان اپنی قومی زندگی کو پاک نہیں کرتے۔ اور امت مسلمہ کو منصف امامت اور حق و اقتدار کا مالک بننے کیلئے اللہ تعالیٰ نے جن اوراد و نماز کا مسلمانوں میں ہونا شرط قرار دیا ہے۔ ان اوراد و نماز کے نیکی طرف دھیان نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ غلط قیادت مسلمانوں کو دین و اخلاق کی طرف نہیں لے رہی۔

دنیا داروں اور دنیا داروں کی قیامت و کشمکش

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں صدیقوں جدید و قدام کی لابی میں پختہ اور مشر و مولانا کا نزاع و تصادم رہا ہے۔ قوم میں یہ دو ایسے مستقل محاذ پیدا ہو گئے ہیں کہ دو ذہن محاذ کش موراؤں کو قوم کی تعمیر و اصلاح سے زیادہ

اپنے عزت و افتاد کی فکر لاحق رہتی ہو۔ ہر دو فریق ایک دوسرے کو گلے کرنے، ذلیل کرنے اور مٹانے پر ہر وقت کمر بستہ رہتے ہیں۔ انہوں نے جنگ عوام کی ذہنی ہمداری اور تعمیر و اصلاح کا کوئی ٹھوس پروگرام بنایا ہی نہیں۔ یہ ہمیشہ جنگ زرگری میں مصروف رہے ہیں۔ یہ خود دین و اخلاق کا پیکر بن کر کبھی عوام کے سامنے نہیں آئے۔ یہ اسلام کے درد پذیر غلاموں پر توڑ پھینچتے ہیں مگر اسلام کی کسی پابندی اور ذمہ داری کو اپنے نزدیک نہیں لے دیتے۔ دوسروں کہتے ہیں کہ مسلمان بچاؤ گر خود اسلام سے آزاد و بیزار رہ رہتا ہے تو وہیں برباد ہوتا ہے دین و اخلاق کی طرف نہیں آتے تو عوام کیسے آئیں۔

اس پر طرہ یہ کہ دین علمبرداروں کو شکایت ہو کہ لوگ بیدین ہوتے جا رہے ہیں۔ اور بیدینوں نے دین و دنیا داروں کو شکوہ ہو کہ یہ دیندار انکو ترقی نہیں کرنے دیتے۔ اور انکی دنیا کو تباہ کر دینے پر اصرار رکھتے ہیں۔ دیندار کہتے ہیں کہ یہ ہمارے بیدین رہ رہتا ہے دینی تعلیم سے بالکل کورے ہیں۔ دنیا دار جواب دیتے ہیں کہ یہ ہمارے مولوی دنیا دار ہیں بالکل بغیر ہیں۔ ان دونوں میں ایک ایسی حد فاصل ہے ایک ایسی گہری خلیج اور ایک ایسی شدید نفرت حاصل ہو چکی ہے کہ دونوں اپنے اپنے شعبوں یعنی دین اور دنیا کو ناقابل اتصال سمجھ کر ایک دوسرے سے الگ ہو بیٹھے ہیں۔

عجیب صورت حال ہے کہ جو دنیا سے باخبر اور عیش و عشرت کے دلدادہ ہیں وہ عقلمندی کو فراموش کیے ہوئے ہیں اور دین و اخلاق کی کسی پابندی کو اپنے نزدیک نہیں لے دیتے۔ جبکو عقلمندی کی فکر اور خدا پرستی و دینداری کی پاسداری ہے وہ حالاً دنیا سے بیخبر ہیں۔ اہل دین دنیا سے دور اور اہل دنیا دین سے غور ہیں۔ دین و دنیا کی اس تفریق و علیحدگی نے مسلمانوں کو تین تیرہ بارہ باٹ کر رکھ دیا ہے۔ وہ نہ پورے مومن رہے اور نہ پورے کافر۔ کفر و ایمان کے درمیان مطلق ہو کر رہ گئے ہیں۔

اصحابِ خصرت اور اربابِ عزیمت

ان سالائیں اگر کوئی اللہ کا بندہ حالاً کی انتہائی خرابی اور انوکھ کی ناسازگاری کی وجہ سے مایوس و دل برداشتہ ہو جائے اور اصطلاح حال کیلئے کوئی بڑا اور اہم قدم اٹھانے کی ہمت و جرأت نہ کرے تو اسکو محض رخصت سمجھ کر مخدج سمجھنا چاہیے۔ اور اسکو طعن و تشن اور طاعت نہ کرنا چاہیے۔

مگر یاد رہے کہ اصحابِ رخصت اور اہل عزیمت کا معاملہ بڑا دقیق اور نازک ہے۔ اس مرحلہ پر جسے جسے علماء و فضلا و اور اصحابِ صدق و صدقا راہ حق سے کتر رہے ہیں۔ لہذا خوب سمجھ لینا چاہیے کہ رخصت کی اجازت عامہ ناس کیلئے ہے نہ کہ علماء و فضلا کیلئے۔ عوام کیلئے اسی میں امن و سلامتی ہے کہ وہ دورِ فتن میں اپنے اعتقاد و عمل کی حفاظت کریں۔ اور ہر حال میں اصلاح نفس کو مقدم رکھیں۔ مگر خواص کیلئے یہ اجازت نہیں کہ وہ روپوشی اور گوشہ نشینی اختیار کر لیں۔ فتنہ و فساد اور شر و فتن کے سامنے ہتھیار ڈالیں۔ طوائف اللہ کو اور انار کی کو پھیلنے دیں۔ بندگانِ خدا کو گراہی میں مبتلا نہ دیکھیں۔ مگر جس سے مشن ہوں۔ منکرات و معاصی کی خلاف زبان نہ ہلائیں۔ اجتماع فریضہ کو قطعاً ترک کر دیں۔ اقامت دین کی طرف سے بالکل لاپرواہ ہو جائیں۔ اور اپنے نفس کی اصلاح کے علاوہ اور کسی کی ہدایت و اصلاح سے مطلب ہی نہ رکھیں۔

مسلمانوں پر ہر حال اور ہر حال و ہر زمانہ میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت فرض ہے۔ افراد کی اطاعت اپنی جگہ نجات کے لئے کافی سی۔ مگر اس حقیقت کو نہیں جھٹلایا جاسکتا کہ اسلام افراد امت پر ایک اجتماعی فریضہ بھی عائد کرتا ہے اور وہ قیام حق و عدل اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ یہ علماء سے کسی حال میں راقط نہیں ہو سکتا۔ جب پوری کی پوری امت اپنے اجتماعی فریضہ حیات غافل ہو کر دنیا پرستی کے مرض میں مبتلا ہو گئی ہو۔ منکرات و معاصی کا بازار گرم ہو۔ بندگانِ نفس شیطان انسانوں سے

اور مصیبتوں کا علاج ڈھونڈتے ہیں۔ مگر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کیلئے جو طریقہ اللہ و رسول نے بتلایا ہے اسکو نہ سمجھتے ہیں اور نہ اسکو اختیار کرتے ہیں۔ نتیجہ ناکامی ہوتا ہے۔

غلط قیادت اور خود غرض رہنما

صحیح بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی و مذہبی قیادت و رہنمائی نااہل خود غرض اور غلط المذہب و غلط کار افراد کے ہاتھ میں ہے اصلاح اور صحیح افراد کو ہر سراقہ و طبقہ قیادت کے نزدیک بھی نہیں آنے دیتا۔ پھر اصلاح کی مسلسل کوششوں کی متواتر ناکامیوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم میں بے یقینی کی رسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ عوام اپنی مذہبی جد و جہد کے مستقبل کے متعلق اتنے پرامید نہیں رہے۔ تبلیغی و اصلاحی تحریکوں کا حسرتناک انجام انکے سامنے ہے۔ وہ اب بھی دین کے نام پر کسی نئی تحریک میں حصہ لینے سے نہیں ہچکچاتے۔ لیکن نتیجہ کے متعلق انکا یہی خیال ہوتا ہے کہ کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہوگا۔ پھر وہ دین کے لئے قربانی دینے کے لئے بھی تیار ہیں۔ مگر جب انکی سابقہ قربانیاں ان کے سامنے آتی ہیں اور ان کے انجام پر نظر ڈالتے ہیں تو دین کی طرف سے ایسے ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس مایوسی کی ذمہ واد ہماری قوم نہیں بلکہ ہمارے رہنما ہیں جنہوں نے اسلام سے عوام کو بدظن اور مایوس کیا۔ ہمارے رہنماؤں نے اپنی ذاتی سر بلندی کو قوم کی سر بلندی پر ترجیح دی۔ انہوں نے اسلام کے نام پر بڑے بڑے مناصب اور مفاد حاصل کئے۔ مگر اسلام کیلئے قربانی کبھی نہیں دی۔ اللہ انا وواللہ۔ قوم کو ہمیشہ انہوں نے اپنی ترقی کے لئے ایک میٹھی سمجھا۔ جسکے ذریعہ وہ ذاتی سر بلندیاں حاصل کرتے اور زندگی کے حزن کو مٹاتے رہے۔ جب قائد مذہبی خود غرض، کم ہمت اور غلط کار ہوں تو قوم کا ایثار کس کام کا؟

اصلاح، انقلاب، تنظیم، اتحاد اور اقامت دین کا کام اتنا آسان نہیں جتنا ہمارے مذہبی پیشواؤں نے سمجھ رکھا ہے۔ وہ صرف اشتہار

و دنیا میں اسلامی انقلاب اگر ہوگا۔ یورپ کی مادہ پرستی کو اسلام کی تہذیب پرستی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑینگے۔ اور بنیادوں کو وہ سب کچھ ملے۔ امریکا جسکی تلاش میں وہ سرگرداں ہیں۔ اور بحر زلفت و ناکامی اور تباہی و بربادی کے کچھ نہیں ملتا۔ اور اگر مسلمانوں کی شومی قسمت اور انا تو انکی سیوا بخشتی سے یہاں اسلامی نظام قائم نہوا۔ تو پھر مسلمانوں کے رہے سے دین و اخلاق کی بھی خیر نہیں۔ اہل حق کی پیروی و پکار اور جد و جہد سے تعویذی بہت مسلمانوں میں خدا پرستی و دینداری موجود ہے وہ بھی ختم ہو جائیگی۔ اور ہم دنیا کی دوسری نگراں اور مادہ پرست قوموں کی طرح محض ایک قوم بن کر رہ جائیں گے۔ جس وقت کی پکار یہ ہے کہ مسلمان قوم پرستی کی راہ چھوڑ کر اسلام کی صراط مستقیم پر آجائیں۔ بین عیاش ریڈروں کے دامن کو چھوڑ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیں۔ اور اپنے تمام افکار و اعمال کو اسلام کے ماتحت لے آئیں۔

یہ مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اور ایک ایسا امر ہے جس پر تمام زعمائے ملت، رہبران قوم اور ارباب قیادت و رہنمائی متحد و متفق ہیں۔ اسمیں نہ کسی کو اختلاف ہے، اور نہ ہو سکتا ہے۔ کوئی فرقہ، کوئی جماعت، کوئی پارٹی اور کوئی مسلمان ہے جو یہ کہے کہ مسلمانوں کو حقیقی اور کامل مسلمان بنانیکلی ضرورت نہیں۔ ہر شخص یہ جانتا، مانتا اور کہتا ہے کہ ہماری تمام ذاتوں، خرابیوں اور کمزوریوں کا سبب یہ ہے کہ مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان نہیں رہے۔ پس مسلمانوں کو مسلمان بنانیکلی ضرورت کو سب تسلیم کرتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے تمام فرقے، تمام جماعتیں اور تمام مذہبی و سیاسی رہنما اسلام اسلام کی رٹ لگا کر اپنی اپنی لیڈر سی کی دکانیں چمکا رہے ہیں اور سب چاہتے ہیں کہ مسلمان مسلمان بنیں تو پھر اسکی کیا وجہ کہ مسلمان اور زیادہ اسلام سے آزاد اور دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اس کا سبب صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمارے رہنما اصلاح کے لئے طرح طرح کے ہنگامے تو ضرور برپا کرتے ہیں۔ انجنوں کا نفر نسوں، تقریروں، تحریروں اور چندوں کے ذریعہ وقت کی مشکوٰۃ

ایسا ہونا ضروری اور لازمی ہے کہ تم سب جان و مال کی آزمائش میں ڈالے جاؤ۔ اور یہ بھی ضرور ہونا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین سے تمہیں دکھ پہنچنے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں۔ لیکن اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ کا شیعہ اختیار کیا تو بلاشبہ یہ بڑے عزم و ہمت کی بات ہوگی۔“
(سورۃ آل عمران)

اگر ہم اسے مذہبی رہنماؤں نہیں یہ عزم و ہمت ہو تو پھر مسلمانوں کو مسلمان بنانے اور دنیا میں اسلامی انقلاب لانے کے لئے کوئی چیز بھی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اور تمام جیلے ہمانے فضول ہیں۔ یہ کون نہیں جانتا کہ عزم و ہمت کا نتیجہ ہمیشہ ہی فتح مندی و کامیابی ہوا کرتا ہے۔ غلوں نیت اور مومنانہ عزم و ہمت کے ساتھ سعی و عمل کا جو بھی نتیجہ ہو وہ اسلامی نقطہ نظر سے کامیابی ہی کامیابی ہے۔ خواہ اہل حق کو سولی کے تختوں پر لٹکانا ہی کیوں نہ پڑے۔

راہ حق میں بسرے سے ناکامی کا گدڑا ہی نہیں۔ اسلامی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ابتداء اسلام میں کن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ صحابہ کرام نے کس کس طرح انکا مقابلہ کیا۔ اور صبر و استقامت نے کس طرح انکو خلافت کا مالک بنایا۔ مکہ میں عالم غربت و بیکسی میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی عزیز جانیں اللہ کی راہ میں قربان کیں وہ بھی دنیا سے کامیاب و سرفراز ہو گئے۔ اور پھر جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے مدینہ منورہ میں اسلام اور فتح و کامرانی کے عالم افروز مناظر دیکھے وہ بھی کامیاب و سرفراز ہوئے۔ دونوں حالتوں میں اِنَّ اللہ کے بندوں نے صبر و تقویٰ اور عزم و ہمت کا ثبوت دیا۔ اس لئے فتح و کامرانی نے انکے قدم چومے۔

عزم و ہمت صبر تقویٰ سیدیا ہوتی ہے۔

قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیت نے ہر زمانہ کے اہل حق کو کامیابی

پلائی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ زبانی دعووں سے عوام کو مسحور کرتے ہیں۔ مگر ان دعووں کے مطابق عمل کر کے نہیں دکھاتے۔ اس کام کیلئے جن اوصاف و خصائص ایمانیہ کی ضرورت ہے۔ وہ ان سے محروم ہوتے ہیں۔ مگر اشتہار بازی کے فن میں طاق۔

حالات کی ناسازگاری کا عذر رنگ

اہل حق کی تاریخ بتلاتی ہے کہ جو لوگ نبوی طریقہ پر امامت دین اور جہاد فی سبیل اللہ کا کام کرتے رہے۔ ہمیشہ انہوں نے جو کچھ کہا۔ مضامین الہی کے حصول کے لئے کیا۔ انہوں نے یہ کبھی نہیں دیکھا کہ حالات سازگار ہیں یا نہیں۔ لوگ ان کی باتوں کو سنتے ہیں یا نہیں۔ اور ہمارے پاس مادی اسباب و ذرائع کتنے ہیں۔ وہ اللہ کا نام بیکربے سرو سامان لئے، طاغوتی طاقتوں سے ٹکراتے اور اپنا فرض ادا کر گئے۔ مگر ہمارے مذہبی پیشواؤں کی دنیا ہی دوسری ہے۔ وہ سب سے پہلے حالات کی ناسازگاری کا رونا روتے ہیں۔ پھر میدان اصلاح میں قدم دھرتے ہیں۔ مردانہ وار سعی و عمل کی دنیا میں نہیں آتے۔ نہ ان میں حالات کو سازگار بنانے کی صلاحیت و قوت اور عزم و ہمت ہوتی ہے۔ مروجہ ذہنیت سے دوچار قدم چلتے ہیں اور تنک کر ٹیٹھ جاتے ہیں۔ کسی تحریک کی کامیابی کا انحصار اس بات پر نہیں ہوتا کہ حالات سازگار ہوں، کسی قسم کی تکلیف و مصیبت کا سامنا نہ ہو۔ کسی طرح کی مزاحمت نہ ہو۔ مادی اسباب و ذرائع مطلوبہ مقدار میں حاصل ہوں۔ اور ایشاد و قربانی کا ثبوت نہ دینا پڑے۔ یہ سب چیزیں اہل حق کو لازمی طور پر پیش آتی ہیں۔ اور آتی چاہئیں۔ اس لئے کہ تکلیف و مصیبت کا آنا ہی محض طاغوتوں کو چھکاتا اور ہمت کو بلند کرتا ہے۔ رکاوٹ و مہمنا کا ثابت قدمی اور اللہ العزیز سے مقابلہ کرنا ہی فوز و فلاح کا باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم کا اعلان ہے۔

کاگر بتلا دیا۔ اور وہ صبر و تقویٰ ہے۔ ہر زمانہ کے اہل حق کیلئے طاغوتی طاقتوں کا مقابلہ کرنا، مشکلات و مصائب پر قابو پانے حالات کو سازگار بنانے اور اللہ کا دین قائم کرنے کے لئے یہ دوز بردست ہتھیار ہیں۔ صبر و تقویٰ اختیار کرنے سے مومنوں اور مجاہدوں میں وہ غزم و ہمت پیدا ہوتی ہے۔ جس سے وہ ٹڈی دل فوجوں کا منہ پھیر دیں۔ آہنی قلعوں کو توڑ دیں۔ شیروں کے جیڑے چیر ڈالیں، پہاڑوں کو اپنی ٹھوک سے اڑا دیں۔ دریاؤں اور سمندروں کو پایاب کر جائیں اور دنیا بھر کی طاغوتی طاقتوں کو شکست دیدیں۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے مذہبی رہنما ان دو ہتھیاروں کو بیکر میدان عمل میں آجائیں۔

اب صبر کی فضیلت اور اس کی حقیقت بھی سمجھ لینی چاہیے۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! ایمان کیا ہے؟ فرمایا صبر۔ دوسری حدیث میں ہے۔ صبر نصف ایمان ہے۔ حق تعالیٰ نے قرآن پاک میں ستر مقامات پر صبر اختیار کرنیکی ترغیب دی ہے۔ اور نیکی و برائی کا جو بھی بلند و برتر مقام ہے اسکو صبر پر موقوف بتلایا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ ہم نے انکو صبر کی وجہ سے درجہ امامت و ہدایت عطا فرمایا۔ درود، رحمت، اور ہدایت مومنوں کے لئے تین بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ یہ تینوں نعمتیں صرف صابروں کو ملتی ہیں۔ اللہ صابروں کے ساتھ ہوتا ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ حق تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو سب سے کم عنایت فرمائی ہیں وہ صبر اور یقین ہے۔ جس کو یہ دونوں چیزیں ملجائیں اس کا کیا کتنا۔

صبر کی حقیقت یہ تعنی صبر کی فضیلت۔ رہی اسکی حقیقت۔ سو اس کو بھی سمجھ لیجئے۔ صبر کے معنے ہیں مصائب و محن میں ثابت قدم رہنا۔

ماہ حق میں آگے بڑھتے چلے جانا۔ اس کی کئی نوعیں ہیں؛
اول تو حید و نبوت اور محاد وغیرہ کے دلائل فراہم کرنے،
خود فکر اور تحقیق و تدقیق کرنے، مخالفین کے شبہات و
اعتراضات کا جواب دینے اور ان کے طعن و تشنیع میں جو
محنت و مشقت کرنی پڑتی ہے اس پر صبر کرنا۔

دویم غلا، روزہ، حج، زکوٰۃ اور جہاد وغیرہ فرائض و واجبات
ادا کرنے میں جو تکلیف ہوتی ہے اس پر صبر کرنا۔
سویم منکرات و منہیات سے پرہیز کرنے میں نفس پر جو جبر
کرنا پڑتا ہے اس پر صبر کرنا۔

چھٹا ہم دنیا کی تکالیف مثلاً افلاس، بیماری، قحط اور قید و
بند وغیرہ پر صبر کرنا۔ ان چاروں نوعوں کے ماتحت اور بہت
سی نوعیں ہیں۔ قرآن کریم صبر کی جملہ انواع و اقسام کی ہدایت
کرتا ہے۔ اگر مومنوں کو یہ صفت میسر آجائے تو بچھنا چاہیے
کہ وہ تمام اخلاقی و دوسانی قوتوں کے مالک بن گئے۔ اور
اب وہ ان اخلاقی قوتوں کے ذریعہ کفر و شرک اور السجاد کی
تمام مادی طاقتوں پر غالب آسکتے ہیں۔

تحقیق تقویٰ تقویٰ کے صحیح مفہوم اور اسکی
پوری حقیقت کے متعلق مسلمانوں

میں صدیوں سے غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جن میں عوام
و خواص دونوں مبتلا ہیں۔

.....
.....
.....
.....
.....

اللہ و رسول کی نظروں میں جو چیز مبغوض تھی وہ محبوب بن گئی، جو
محبوب تھی وہ مبغوض ہو گئی۔ معروف کو منکر کے سانچہ میں

عالمیاد گیا۔ اور منکر کو معروف کا لباس پہنا دیا گیا۔ اور ساری دنیا
نسق و فحور سے بھر گئی۔

یہاں تفصیل کا موقع نہیں ورنہ ہم آپکو بتلاتے کہ تقویٰ
کے رسمی و سطحی مفہوم نے دین و اخلاق پر کیا قیامت ڈھائی
اور فسق و فحور کو کیونکر تقویت ملی۔ یہاں صرف اتنا ہی اشارہ کرنا
مقصود ہے کہ ہمارے دینداروں کے یہاں تقویٰ کا حقیقی اور پورا
مفہوم باقی نہیں رہا۔ اسلئے ان میں ایمان کی روح اور جہاد کا دلولہ
بھی باقی نہ رہا۔

تقویٰ کا مختصر سا مفہوم یہ ہے۔ اللہ سے ڈر کر معاملی
و منکلات سے بچنا، توبہ کرنا اور عدو و حلال و حرام پر قائم رہنا۔ اللہ
تعالیٰ کی صیغہ معرفت، آخرت کے صحیح علم و یقین اور اتباع رسول
کے صحیح و کامل جذبہ سے ایک مسلمان میں وہ خوف و بے چینی پیدا
ہوتی ہے جس سے وہ خدا کی طرف بھاگتا ہے۔ اسکی نافرمانی سے توبہ کرتا
ہے اور اپنے نفس کی نگرانی کرتا ہے۔ یہی تقویٰ کی اصل حقیقت ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کا صحیح علم و یقین
دل میں پیوست ہو جائے تو پھر یہی علم و یقین ایک مسلمان کو اللہ سے
احکام الہی کی تحصیل پر ابھارتا ہے۔ اور اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ وہ
خدا تعالیٰ کے احکام و قوانین کی زندگی کے تمام معاملات و مسائل
میں پوری پوری پابندی کرے۔ کسی مرحلہ، کسی معاملہ، کسی حالی اور
کسی مقام میں بھی حدود اللہ سے تجاوز نہ کرے۔ جہاں کہیں اور
جب اس کا نفس کسی خیانت یا جسارت اور نافرمانی پر اکساتا ہے۔

اسی وقت اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کا علم اسکے ذہن میں آکر
اسے بیدار و متنبہ کرنا، خدا کا خوف پیدا کرنا اور اسکو خدا کی نافرمانی
سے روکتا ہے۔ پھر یہی علم ہے جو مسلمان کو اللہ کی راہ میں ہر
چیزی پر ہنر کو قربان کر دینے پر آمادہ کرتا ہے۔ رہا یہ امر کہ وہ کونسی
صفات میں جن کا علم و یقین مسلمان میں یہ جذبہ اطاعت و جاں
سپاری پیدا کرتا ہے۔ سو یہ ایک علیحدہ تفصیل طلب عنوان ہے۔

یہاں صرف یہی بتلانا مقصود تھا کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے۔
صبر تقویٰ و محرومی اور مذہبی ہنماؤں کی کامیابی

چاہتے تو یہ تھا کہ ہمارے مذہبی رہنما اپنے اندر صبر و تقویٰ کی
روح اور مومنانہ عزم و ہمت کا دلولہ پیدا کر کے عوام کے سامنے آتے
اور باخیا نہ ماحول پر چھا جاتے۔ مگر حضرت سید احمد ربیلویؒ اور مولانا
اسمعیل شہید کے بعد ایسا نہیں ہوا۔ اصلاحی تحریکیں تبلیغی انجمنیں
اور اصلاحی کوششیں شروع ہوئیں، اٹھیں اور بیٹھ گئیں۔ اسلئے
کہ انکی بنیادیں خلوص اور طریق نبوت و مضامین شرع پر استوار نہ
تھیں۔ بلکہ جذباتی اور ہنگامی خواہاں آدھیاں تھیں اسلئے ماکامی پر
ناکامی ہوتی رہی۔

ہم نے کبھی اپنی تحریکوں کی بنیادیں قرآنی ہدایات پر نہ رکھیں
ہمیشہ اصلاح و تنظیم کے لئے طریقے ڈھونڈتے رہے۔ مگر طریق نبوت
کبھی اختیار نہ کیا۔ اتباع قرآن و اتباع سنت کی جگہ نیکو شکایات
اور رونے دھونے میں لگے رہے۔ اپنی فکری کم مائی، کوتاہ نظری، غلط
فہمی، آرام طلبی اور علمی کمزوری کو چھپانے کیلئے غیر حقیقی شکلات
کو حقیقی شکلات سمجھ کر راہ صبر و استقامت اور شجاعت تقویٰ سے
کتراتے رہے۔ ہمارے رہنماؤں نے محض تصنیفی و تقریری سرگرمیوں
کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے۔ ہم احیاء اسلام کے خواب محض علمی
سرگرمیوں، تنگنہ تحریروں اور تقریروں اور فکری و فنی کلمۂ آفرینیوں
میں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔

اس مادہ پرستی کے دور میں جن اخلاقی قدروں اور روحانی
مصلحتوں کی ضرورت تھی، ہمارے مذہبی رہنما انکو اجاگر اور انکے حصول
کی کوشش نہیں کرتے۔ صرف چند سطحی، سرسری اور جذباتی چیزیں
اپنے ذہن و قلم کی جولانیوں سے مسلمانوں کے سامنے لا کر دھر دیتے
ہیں۔ اسلئے وہ نہ زیادہ دیر تک اس دود کی ضلالتوں اور طاعون
طاقتوں کے مقابل میں ٹھہر سکتے ہیں اور نہ مسلمانوں کی زندگیوں

میں ٹھوس اور پائدار انقلاب پیدا کر سکتے ہیں۔ اکی تھرکوں میں محفرت و عرفان کی وہ روحانی کشش اور عرفانی جذبہ ہی پناہ نہیں ہوتا جو نظام ہائے باطلہ اور مادہ پرستی کے ایسے اور کچلے ہوئے مسلمانوں کو اسلام کی طرف لے آئے۔ اور دلوں کے زلف و داموں کی کھینچ کو دور کر دے۔

اصل بات یہ ہے کہ ناکامیوں پر ناکامیاں ہونے کے باعث کچھ اپنے اشتداد کے سبب دینداروں نے ہمت ہار رکھی ہے۔ وہ تلاش ممکن، تقلید کوہ، جہود و محمود، یاس و ناامیدی، قنوطیت اور ذہنی پستی کا مرقعہ ہیں۔ انکو حقیقت پر وہی اور حقیقت پسندی سے بھرپور ہو گیا ہے۔ وہ ایک خالی دنیا میں زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں نہ کوئی تکلیف ہو اور نہ جہد و جہد۔ اس بے عملی، سکون پسندی اور راحت کو شہی کے لئے وہ طرح طرح کے حیلے بہانے تراشتے رہتے ہیں۔ ہاں اتنی بات امید افزا ضرور ہے کہ عام طور پر نہیں تو مخصوص دینی حلقوں میں اس پست ہمتی بے عملی کی چغین محسوس کی جا رہی ہیں۔ یہ احساس ہی انشاء اللہ دین کی پیشینانی کا حق ادا کرے گا۔

اصلاح کا صحیح طریقہ اگر ہمیں دین پیار ہے اور ہم واقعی مسلمانوں کو مسلمان بنانا

چاہتے ہیں۔ تو ہمیں انجن سازی اور پروگرام بازی کے پرانے طریقہ سے تو یہ کرنی چاہئے۔ اور طریق نبوت اختیار کرنا چاہئے۔ صلح کے معنی سنوارنا اور سنوارنا ہیں۔ یعنی اصلاح کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ اصلاح چاہتے ہیں وہ اپنے آپ کو سنواریں۔ خود نیک بنیں اور دوسروں کو سنوارنے و نیک بنانے کی قابلیت پیدا کریں۔ اپنے نفس کی اصلاح و تربیت اس راہ کا پہلا قدم ہے۔ اپنے کی اصلاح و تربیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور آخرت کے علم و یقین کو اپنے دل و دماغ میں پیوست کریں۔ اپنے دل و دماغ کو اسلامی بنائیں، غیر اسلامی افکار و نظریات سے اپنے ذہنوں کو صاف کریں۔ نیتوں میں خلوص پیدا کریں۔ اپنی صورتوں اور سیرتوں کو اسلامی رنگ دیں۔ اور اپنے محال

کو اسلامی حدود پر قائم کریں۔ پھر اپنی بومی، بچوں اور قریبی رشتہ داروں کو درست کریں۔ پھر اپنے محلے والوں کو دعوت اصلاح دیں۔ اس کے بعد اپنے شہر تک اپنی کوششوں کا دائرہ وسیع کریں۔ پھر ملک اور ملک کے بعد تمام انسانیت اور کل دنیا پر چا جائیں۔ یہ سب اصلاح کی صحیح ترتیب و ترکیب۔

اسکل یہ مطلب نہیں کہ جب تک ہم اپنے نفس کو پورا مسلمان نہ بنالیں اور تہذیب نفس کی تمام منزلیں طے نہ کر لیں۔ دوسروں کی اصلاح کی کوشش ہی نہ کریں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایمان، صبر اور تقویٰ کے سلسلہ میں قرآن حکیم نے جو ابتدائی صفات بتلائی ہیں۔ ہم انکو اپنے اندر پیدا کر لیں۔ اور اپنی زندگی میں اتنی فوری تبدیلی پیدا کریں کہ ہم دوسرے مسلمانوں سے اپنے افکار و اعمال میں ممتاز و نمایاں نظر آئیں۔ اتنی اصلاح و تبدیلی بالکل ممکن اور آسان ہے۔ پھر گھر سے لیکر شہر تک اپنی اصلاحی کوششوں کا دائرہ بالترتیب وسیع کرتے جائیں۔ یہ بھی یاد رہے۔ اپنی اصلاح اور دوسروں کی اصلاح کا کام ساتھ ہی ساتھ ہونا ہے۔

کما جائے گا کہ جب ماحول فاسد، ماحشر و گندہ اور حالات ناسازگار رہو جائیں تو ایسی حالت میں اصلاح و درستی کا کام حکومت ہی کر سکتی ہے۔ بیشک یہ درست ہے۔ اگر حکومت اپنے اس مقدم و اہم فرض سے تغافل برت رہی ہے تو مجھے دو۔ دینداروں کو اپنے حصہ کا تو کام کرنا چاہئے۔ ان کو جتنے بھی اسباب و وسائل آسکیں ان کے مطابق اخلاقی اصلاح اور دینی تبلیغ کا کام شروع کر دیں۔ اور اگر ہم یہ چاہیں کہ اپنے نفسوں، اپنے گھروں اور اپنے محلوں و شہروں کی اصلاح کا کام چھوڑ کر پہلے بیبیوں کے ہاتھ سے اقتدار و فساد چھین لیں تو پھر بجز فساد کے کسی کی بھی اصلاح نہ ہو سکے گی +